الفرقان

بابت جون ۱۹۵۲ء

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	اسلام میں روزے ——— (ان کے احکام، فوائد اور ان کی افضلیت و برتری کا بیان)	ایڈیٹر	۲
۲	قرآن کریم کا بے نظیر ہونا (نظم)	از کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام	۸
۳	شذرات	ایڈیٹر	۹
۴	عربی سکھانے والا کتابی معلّم ——— (دروس فی اللغۃ العربیۃ)	"	۱۵
۵	اسلام ہی زندہ مذہب ہے (قرآنی صحیفہ میں ہدایت کے بے شمار سمندر بند ہیں۔)	لیکچر عزت مآب جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ پاکستان	۱۷
۶	قرآن مجید کے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آسکتی۔ (بہائیوں کے ایک غلط استدلال کی تردید)	ایڈیٹر	۲۴
۷	حضرت مسیح ناصری علیہ السلام پر نازل ہونیوالی اصل انجیل (ہندوستان میں عبرانی انجیل کے آثار)	جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائلپور	۲۵
۸	فضائے آسمانی دیکھنے کا نیا انسانی جھروکہ (سب سے بڑی ریڈیائی دوربین)	ترجمہ مضمون مارلیس گولڈ سمتھ	۳۱
۹	ہمارے عزائم (نظم)	راجہ نذیر احمد صاحب ظفر	۳۵
۱۰	ایک سوال کا جواب	ایڈیٹر	۳۶
۱۱	قرآن مجید اور قوم عاد	امین اللہ خاں صاحب سالک	۳۷
۱۲	ہمارے متدین وزیر خارجہ پاکستان کے متعلق مصری اخبار کا اعلان (ظفر اللہ خان عالم اسلام کی محبوب ترین شخصیت ہے!)	ایک مصری اخبار کے اقتباس کا ترجمہ	۴۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۲　　الفرقان　　عدد ۶
بابت رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ مطابق جون ۱۹۵۲ء

اسلام میں روزے

ان کے احکام، فوائد اور ان کی افضلیت و برتری کا بیان

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن رمضان المبارک کے روزے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ کہ اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح وہ تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے۔ روزوں کی غرض و مقصد یہ ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ کہ تم تقویٰ شعار بن جاؤ۔

اس آیت میں روزوں کے فرض کئے جانے کا اعلان ہے اور اگلی ایک آیت میں اس اجمال کی تفصیل میں ماہ رمضان المبارک کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ، فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ، یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝

ترجمہ :- رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا، جو تمام لوگوں کے لئے ہدایت اور ربانی احکام پر مشتمل ہے اور پھر ان احکام و دعاوی کے لئے دلائل پر مشتمل ہے اور اس میں فیصلہ کے لئے بیّنات موجود ہیں۔ پس جو شخص بھی اس مبارک مہینہ میں گھر پر تندرست موجود ہو اس پر اس ماہ کے روزے فرض ہیں۔ اور جو بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو تو اس کے ذمہ سال کے دوسرے ایام میں رمضان کے روزوں کی تعداد میں روزے رکھنے واجب ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے لئے ہر قسم کی سہولت چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا۔ پس تم گنتی کو پورا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت پر اس کی کبریائی

بیان کرو اور اس کے بے انت احسانات کا شکریہ ادا کرو۔"

اس آیت کریمہ کی رُو سے ہر مُسلمان پر فرض ہے کہ وہ رمضان المبارک کے مہینے کے سارے دنوں کے (وہ انتیس ۲۹ ہوں یا تیس ۳۰) روزے رکھے لیکن اگر کوئی مسلمان اس مہینہ میں بیمار یا مسافر ہو تو وہ مستثنیٰ ہے۔ وہ رمضان المبارک میں روزے رکھنے کا مکلف نہیں بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ان دنوں کی بجائے دوسرے کسی مہینے میں اپنی بیماری یا سفر کے ایام کی تعداد کے مطابق روزے رکھے۔ بیماری اور سفر کی حالت میں روزے موجبِ عسر ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلہ میں دوسرے ایام میں روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔

اسلامی روزہ یہ ہے کہ انسان طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے، اور ازدواجی تعلقات سے اجتناب کرے۔ اور اپنے وقت کو ذکرِ الٰہی اور بنی نوع انسان کے فائدہ میں صرف کرے۔ مومن کا فرض ہے کہ ایسے مخلصانہ روزے رمضان کے ایام میں مہینہ بھر رکھے۔

مذاہبِ عالم کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں روزہ کی اصولی تعلیم موجود ہے۔ ہندوؤں میں بعض مخصوص ایام میں "برت" رکھنے کا قدیم ایام سے رواج چلا آتا ہے۔ یہودیوں میں بھی بعض دنوں کے روزے پائے جاتے ہیں۔ عیسائی عملاً شریعت سے بے پرواہی برتتے ہیں مگر حضرت مسیحؑ کا یہ قول آج تک اناجیل میں موجود ہے کہ جنوں کی ایک خاص قسم بجز نماز اور روزہ کے نکالی نہیں جا سکتی۔ خود حضرت مسیحؑ نے ایک مرتبہ چالیس دن کے روزے رکھے تھے۔ یہود و نصاریٰ کے روزوں کی کیفیت بتانے کے لئے ہم "قاموس الکتاب المقدس" (لغت بائیبل) کا اقتباس ذیل پیش کرتے ہیں۔ لکھا ہے :-

"لم یکن فی ناموس موسیٰ الا یوم واحد معیّن للصوم (لا ۱۶: ۲۹) ذٰلک اذا کان المقصود بتذلیل النفس فی ھٰذہ الآیة ھو الصوم کما ظنّ الاکثرون۔ وبعد السّبیِ کان الیھود یصومون فی الشھر الخامس والشھر السابع (زک ۷: ۵) وبحسب التقالید یقال انّھم کانوا یصومون تذکاراً لکسر لوحی الشریعة (خرص ۳۲) وحصار اورشلیم (ار ۵۲: ۴ الخ) ورجوع الجواسیس (عد ۱۳: ۲۵) واحراق نبوخذ نصر الھیکل (۲ مل ص ۲۵) وبلوغ خبر خراب اورشلیم لحزقیال وغیرہ فی بابل۔ وصرح بعض الرؤساء باصوام عامة فی اوقات خاصة (نح ۹: ۱ و ۲ ای ۲۰: ۳ ویؤ ۱: ۱۴ وغیرھا) ولم یندر الصوم الخاص (نح ۱: ۴ و ۲ صم ۱: ۱۲ ولو ۲: ۳۷ وغیرھا) وغایة الصوم تذلیل النفس والاتکال علی القدیر وکانوا یفرضون علی انفسھم صوماً اذا مات شخص معتبر (۱ صم ۳۱: ۱۳

و٢صم ١٢:١١) اودنت مصيبة (يون ٣: ٥ واس ٣: ٣) او قبل الشروع فى الحرب (٢ اى ٢٠: ٣ وقض ٢٠: ٢٦) او قبل السفر (عز ٨: ٢١) وكان اليهود يحفظون اصوامهم يتقشف فكانوا ينقطعون عن الطعام غالباً من غروب الشمس الى الغروب التالى وكانوا يلبسون المسح على اجسادهم وينثرون الرماد على رؤسهم و يتركون ايديهم غير مغسولة و رؤسهم غير مدهونة وكانوا يصرخون و يتضرعون ويبكون (اش ٢٢: ١٢ ويؤ ٢: ١٥-١٧) وكان الصوم فى ايام ربنا من التقشفات المعتبرة وكان فى ذلك رياء وكبرياء (مت ٦: ١٦) اما الصوم المذكور فى اع ٢٧: ٩ فكان صوم يوم الكفارة - وكان اليهود يصومون اليوم الثانى والخامس من الاسبوع ولم يصوموا السبت ولا الاهلة ولا الاعياد الرئيسية - وكان يوحنا وتلاميذه يصومون اما ربنا يسوع المسيح فلم يذكر عنه انه كان يصوم الاصوام القانونية وغاية ما ذكر انه صام مرة اربعين يوماً (مت ٤: ٢) ويظهر انه هو وتلاميذه لم يكونوا يصومون صوماً معروفاً عادة (مت ٩: ١٤) الا انه بعد صعود الرب اخذ التلاميذ يصومون (اكو ٧: ٥ و ٢كو ٦: ٥) وقال الرب ان بعض الشياطين لا يخرجون الا بالصوم والصلاة (مر ٩: ٢٩) ويترك العهد الجديد اوقات الصوم لاستحسان الشخص ويظهر من مت ٩: ١٥ ان الصوم نتيجة الحزن و ذلك مطابق للطبيعة" (جلد ٢ ص٣١-٣٢)

ترجمہ:- موسوی شریعت میں سوائے ایک دن کے روزہ مقرر نہ تھا (احبار ١٦/٢٩) یہ بھی اس صورت میں ہوگا جبکہ احبار ١٦/٢٩ میں لفظ "جان کو دکھ دے" سے مراد روزہ لیا جائے جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے - زمانۂ قید کے بعد یہودی پانچویں اور ساتویں مہینے میں روزے رکھا کرتے تھے (زکریا ٧/٥) روایات کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ وہ وحی شریعت کے توڑنے کی یاد میں روزہ رکھا کرتے تھے (خروج باب ٣٢) محاصرۂ یروشلم کی یاد میں روزہ رکھا کرتے تھے (یرمیاہ ٥٢/١٢) جاسوسوں کی واپسی کی یاد میں روزہ رکھا کرتے تھے (گنتی ١٣/١٥) اور نبوخذ نصر کے ہیکل کو جلانے کی یاد میں روزہ رکھا کرتے تھے (٢ سلاطین باب ٢٥) ایسا ہی حزقیل کو بابل میں یروشلم کی خرابی کی خبر پہنچنے کی یاد میں روزہ رکھا کرتے تھے - بعض مذہبی پیشواؤں نے خاص اوقات میں عام روزہ رکھنے کی بھی تصریح کی ہے (نحمیاہ ٩/١، یرمیاہ ٣٦/٦ وغیرہ)

اور خواص کے روزے بھی نادر نہیں ہیں (نحمیاہ ۱/۴ و ۲ صموئیل ۱/۱۲ و لوقا ۲/۳۷ وغیرہ)

روزہ کی غرض جان کو دُکھ دینا اور اللہ تعالےٰ پر توکل کا مظاہرہ ہے۔ یہودی لوگ کسی بزرگ کے مرجانے پر بھی روزہ کی نذر مانا کرتے تھے۔ (۱ صموئیل ۳۱/۱۳ و ۲ صموئیل ۱/۱۲) مصیبت آنے پر بھی روزہ رکھتے تھے (یوناہ ۳/۵ و استثناء ۴/۳) جنگ شروع کرنے سے پہلے روزہ رکھا کرتے تھے (یرمیاہ ۲/۱۴ و قاضیوں ۲۰/۲۶) سفر سے پہلے بھی روزہ رکھا کرتے تھے (عزرا ۸/۲۱)

یہود بڑی سختی سے روزہ رکھا کرتے تھے۔ وہ عام طور پر غروب آفتاب سے لیکر دوسرے غروب آفتاب تک کھانا بند کردیتے تھے۔ ٹاٹ پہن لیا کرتے تھے اور سروں پر راکھ ڈال لیتے تھے۔ ہاتھوں کا دھونا اور سر میں تیل ڈالنا بند کردیتے تھے اور آہ و فغاں اور واویلا کرنے میں مصروف ہوجاتے تھے۔ حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں روزہ خشک عبادت شمار ہوتا تھا اور اس میں ریاکاری اور تکبر پایا جاتا تھا (متی ۱/۱۶) جس روزہ کا ذکر اعمال ۲۷/۹ میں ہے وہ کفارہ کا روزہ تھا۔ یہودی لوگ ہر ہفتہ سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ انہوں نے سبت، نئے چاندوں، اور بڑی عیدوں کے روزے نہیں رکھے۔ یوحنا اور اس کے شاگرد روزہ رکھا کرتے تھے۔ مگر یسوع مسیح کے بارے میں مذکور نہیں کہ انہوں نے شرع کے مقرر کردہ روزے رکھے ہوں۔ زیادہ سے زیادہ یہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے چالیس دن کے روزے رکھے تھے۔ (متی ۴/۲) یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسیحؑ اور انکے شاگرد معروف روزے نہ رکھتے تھے (متی ۹/۱۴) ہاں البتہ حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے کے بعد شاگردوں نے روزے رکھنے شروع کردیئے تھے۔ (۱۔ کرنتھیوں ۷/۵ و ۲۔ کرنتھیوں ۶/۵) یسوع مسیح نے کہا ہے کہ شیاطین کی بعض قسمیں روزہ اور نماز کے بغیر نہیں نکل سکتیں (مرقس ۹/۲۹)

عہدِ جدید یعنی اناجیل میں روزہ کے اوقات انسان کی اپنی مرضی اور پسند پر چھوڑے گئے ہیں۔ اور متی ۹/۱۵ سے ظاہر ہے کہ روزہ غم کا نتیجہ ہے اور یہ امر طبیعت کے مطابق ہے۔"

قاموس الکتاب المقدس کے اِس طویل اقتباس میں یہود و نصاریٰ کے روزوں کی نوعیت اور ان کے طریقے بیان ہوئے ہیں۔ اِس عبارت سے ظاہر ہے کہ یہود اگرچہ روزہ کے بارے میں ترکِ طعام کے لحاظ سے تشدد کرتے تھے مگر ان کے ہاں اِس کا کوئی خاص رُوحانی نظام موجود نہ تھا اور نہ ہی اس سے خاص فائدہ مطلوب تھا۔ حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں روزہ زیادہ تر ریاکاری کے طور پر رکھا جاتا تھا۔ اسی لئے حضرت مسیحؑ کی طرف سے بظاہر یہودی روزہ کی مخالفت مروی ہے۔

قرآن مجید نے روزہ کی غرض و غایت حصولِ تقویٰ قرار دی ہے۔ اسے شکرِ نعماء کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ اسے

اخوتِ انسانی پیدا کرنے کا بہترین طریقہ بتایا ہے۔ اسے قبولیتِ دعا اور قُربِ الٰہی کے پانے کی کلید بتلایا ہے۔ اسلام میں فرض روزے صرف رمضان المبارک کے ہیں جو تمام بالغ مسلمان مردوں اور عورتوں پر فرض ہیں۔ انتہائی ضعف اور مسلسل بیماری وغیرہ کے باعث جو لوگ روزے نہ رکھ سکیں وہ بطور فدیہ مساکین کو کھانا کھلائیں۔

رمضان قمری مہینہ ہے اور قمری سال شمسی سال سے دس دن کی مقدار میں کم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے قمری مہینے مختلف موسموں میں آتے ہیں اور رمضان المبارک بھی سال کے سارے موسموں میں چکر لگاتا رہتا ہے اور جس شخص کو چھتیس ۳۶ سال تک روزے رکھنے کا موقع مل جائے وہ سال کے سارے مہینوں میں روزے رکھنے والا ہوگا۔ اسی لئے رمضان کبھی گرمی میں آتا ہے اور کبھی سردی میں۔ اصل وضع کے لحاظ سے لفظ رمضان گرمی کی شدت پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ مجدالدین لکھتے ہیں:۔

"لما نقلوا اسماء الشهور عن اللغة القديمة سموها بالازمنة التی وقعت فیها فوافق ذٰلك زمن الحر والرمض او من رمض الصائم ای اشتد حر جوفه او لانه یحرق الذنوب" (القاموس المحیط)

کہ جب مہینوں کے نام تجویز ہوئے تو موسم کے موافق نام رکھے گئے۔ رمضان کا نام شدتِ گرمی کے باعث رمضان رکھا گیا۔ یا یہ لفظ رمض الصائم سے مشتق ہے۔ جس کے معنے روزہ دار کے پیٹ میں گرمی کے تیز ہونے کے ہیں۔ یا رمضان کو رمضان اسلئے کہتے ہیں کہ یہ مہینہ گناہ گاروں کے گناہ بھسم کر دیتا ہے۔"

پس لفظ رمضان درحقیقت روزہ کی غرض وغایت پر دلالت کرتا ہے۔ روزہ انسان کے اندر ایک روحانی حرارت پیدا کرتا ہے جو گناہ سوز ہوتی ہے اس سے انسان کی وہ قوتیں بھسم ہو جاتی ہیں جو اُسے گناہ پر آمادہ کرتی ہیں۔

روزہ میں روزہ دار جائز کھانے پینے اور جائز ازدواجی تعلقات کو بھی اللہ تعالےٰ کے حکم سے چھوڑ دیتا ہے اسلئے روزہ دار میں ایسی قوت کا پیدا ہونا لازمی ہے جو اسے ناجائز مال کے کھانے، حرام چیزوں کے پینے، اور ناجائز تعلقات کے پیدا کرنے سے کلی اجتناب پر قادر کر دیگی۔ یہی وہ تقویٰ ہے جو روزہ کے نتیجہ میں انسان میں پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے روزہ کے حُکم کے آخر میں اسی لئے فرمایا ہے وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ کہ تم کسی کا مال ناجائز طور پر ہرگز نہ کھاؤ۔

روزہ میں روزہ دار اپنے رنگ میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ احتیاج کے باوجود کھانا پینا ترک کر دیتا ہے، یہ مومن کی طرف سے ہر قسم کی قربانی پر آمادگی کا اعلان ہوتا ہے اسلئے اللہ تعالےٰ

روزہ دار سے بہت محبت کرتا ہے اور اسکی روزہ کی حالت میں دعاؤں کو غیر معمولی قبولیت عطا فرماتا ہے۔ روزہ کے ذکر کے ساتھ ہی قرآن مجید فرماتا ہے وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝ کہ جب میرے وارفتہ بندے تجھ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو انہیں کہہ دے کہ مَیں قریب ہوں مَیں ان پکارنے والوں کی دُعا کو قبول کرنیوالا ہوں۔ انہیں چاہیئے کہ پورے یقین سے میری اطاعت کرتے رہیں تا کہ وہ رشد و فلاح پا سکیں۔ گویا روزہ قبولیتِ دُعا کا ذریعہ ہے نیز وہ الہام اور وحی اور کشوف اور رؤیائے صالحہ کے دروازے کھولنے والا ہے۔

روزہ کے ذریعہ روزہ دار اپنے غریب بھائیوں کی بھوک کا عملی احساس کرتا ہے اور اسے اللہ تعالےٰ کے احسانوں کی قدر محسوس ہوتی ہے۔ سب مسلمان رمضان کے روزوں میں اشتراک کے ذریعہ مساوات کے عملی مقام پر آجاتے ہیں۔ یہ بات اخوت اور اتحادِ انسانی کے لئے مضبوط اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔

روزہ دار اپنے زبردست مجاہدہ کی وجہ سے اور غیر معمولی مشقت کے برداشت کرنے کے نتیجہ میں دین کیلئے بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ دُنیوی طور پر بھی جفاکشی کی عادت ترقیات کا زینہ ہے پس روزہ انسان میں رُوحانی اور جسمانی بیداری پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس سے انسان میں جذبہ شُکر ترقی کرتا ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اسلامی روزوں کے معین وقت، ان کے خاص نظام، اور ان کے فوائد پر غور کرنے سے انکی فضلیت و برتری واضح ہے۔ یہ ایک علمی اور عقلی بحث ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی روزوں کے زندہ روحانی عبادت ہونے پر قبولیتِ دُعا ایک واضح ترین دلیل ہے۔ دوسری قوموں کے لوگ جو روزہ رکھتے ہیں وہ آج اپنے اثرات اور ثمرات کے لحاظ سے بے اثر چیز ہے لیکن سچے مسلمان جو رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں وہ اپنی برکات اور فیوض کے لحاظ سے زندہ عبادت ہیں کیونکہ انہیں اس عبادت کے نتیجہ میں قبولیتِ دعا کا نشان دیا جاتا ہے۔ یہ نشان آج بھی موجود ہے اور کوئی غیر مسلم اس نشان میں ہمارے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پس اسلام زندہ مذہب ہے اور اس کی مقرر کردہ عبادتیں زندہ اور باثمر عبادتیں ہیں ✦

حدیث نبوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِی السَّفَرِ

کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

قرآن کریم کا بے نظیر ہونا

(از کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاکِ رحماں ہے

بہارِ جاوداں پیدا ہے اسکی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے

کلامِ پاکِ یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے

ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرارِ لاعلمی
سخن میں اسکے ہمتائی کہاں مقدورِ انساں ہے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اس پہ آساں ہے

ارے لوگو کرو کچھ پاس شانِ کبریائی کا
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے

خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے
خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب بہتاں ہے

اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذاتِ واحد کا
تو پھر کیوں اسقدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے

یہ کیسے پڑ گئے دل پر تمہارے جہل کے پردے
خطا کرتے ہو باز آؤ اگر کچھ خوفِ یزداں ہے

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے

شذرات

(۱)

"الفرقان کا خلافت نمبر"

شیعہ اخبار "درِ نجف" سیالکوٹ ۲۴ مئی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں عنوانِ بالا کے ماتحت لکھتا ہے :-

"الفرقان" مولوی اللہ دتہ صاحب جالندھری قادیانی کی ادارت میں نئے دار الخلافہ "ربوہ" سے نکلنا شروع ہوا ہے ۔ اس کا "خلافت نمبر" عین ضرورت کے ماتحت "وقت کی آواز" کہلانے جانے کے قابل ہے۔ اس نمبر میں حضرات خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے اثبات میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ابوبکر و عمر و عثمان خدا کے مقرر کردہ خلیفہ تھے ۔ انعقادِ خلافت میں کسی انسان کی تدبیر و اجماع کا ہاتھ نہیں اسلئے کہ "وہ ہو گئے" الفرقان کے خلافت نمبر میں سوادِ اعظم کی ہمدردی حاصل کرنے اور انکو اپنے ساتھ ملا کر شیعہ کے خلاف ایک اتحادی محاذ نہایت اعلیٰ پیرائے میں قائم کیا گیا ہے ۔ نیز اس نمبر میں آیہ مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا کی تفسیر اس خوبی سے کی گئی ہے کہ سبحان اللہ خلافتِ موسوی کی مماثلت خلافتِ محمدیہ سے دکھاتے ہوئے اُمتِ محمدیہ کے بارہ ۱۲ خلیفے ثابت کئے ہیں جن میں بارھویں سید احمد صاحب بریلوی اور تیرھویں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں "خلفائے اسلام کے اقوال زرّیں کی فہرست" بھی درج ہے ۔ مثلاً اقوال حضرت ابوبکر ۔ اقوال حضرت عمر ۔ حضرت عثمان ۔ حضرت علیؓ ۔ ان کے بعد اقوال خلیفہ نور دین صاحب اور اقوال مرزا بشیر الدین صاحب ۔ اس ضمن میں اقوال مرزا صاحب نہیں لکھے گئے ۔ کیونکہ مرزا صاحب کی شان نبوت کی حامل ہے اور یہ اصحاب صرف خلیفے تھے ۔ علاوہ ازیں شیعہ سنی تنازعہ کے حل کے لئے کلید بھی عطا فرمائی گئی ہے ۔ یہ آسمانی کلید آیۂ استخلاف کی تفسیر ہے جس کی تمام تر تشریحات و تفصیلات کا آخری اگر صرف مرزا صاحب کی نبوت پر ختم ہو گیا ہے ۔ غرض یہ نمبر تمام تر شیعہ مذہب کی تردید اور سوادِ اعظم کی خوشنودی کے حصول کا بہترین سرٹیفکیٹ ہے ۔ صہ ۲۵ پر مصنف ارجح المطالب مولوی عبید اللہ بسمل امرتسری کا نواب صاحب آف رامپور کے ساتھ ایک فرضی مکالمہ لکھا گیا ہے جس میں مذکور کی قادیانیت، وہابیت اور خارجیت بھی ظاہر فرما کر مذہب شیعہ پر احسان کیا ہے لیکن ہمارے ایک فاضل زیدی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ مکالمہ غلط اور ناقص ہے ۔ وہ وعدہ فرماتے ہیں کہ آئندہ اس کی صحت و تکمیل فرمائینگے انشاء اللہ

غرض الفرقان مذہب شیعہ کے لئے چیلنج ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ایسے خلافت نمبر بے شمار اہلسنت کو مرزائیت کا جامہ پہنا سکیں گے۔ کیونکہ ان کی خوشنودیٔ مزاج کا حاصل کرنا" الفضل قادیان" کے خاتم النبیین نمبر سے خلافت نمبروں کے ذریعہ سے آسان تر ہے۔

کیا مذہب شیعہ میں بھی کوئی ایسے بزرگ موجود ہیں؟ جو دُنیائے اسلام کو اِس خطرناک چاہِ ضلالت میں گرنے سے بچا سکیں؟ اور منبروں کی زینت بننے اور خطابیات سے قوم کی ذہنیتوں کو متغیر کرنے کی بجائے سلاحِ قلم سے آراستہ ہو کر میدانِ علم میں اُتر آئیں اور قلمی جہاد سے دُنیائے باطل کو یوں مسخر کریں کہ حضرت فاتحِ ارضِ ہندوستان اعلی اللہ مقامہٗ و طاب ثراہ کا زمانہ یاد آجائے۔" (دُرِّ نجف)

الفرقان — ہمارے نزدیک محترم مدیر صاحب دُرِّ نجف کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے ثابت کرنے کے معنے "شیعہ مذہب کو چیلنج" کرنا ہے۔ خلافتِ حقہ تو ایک صداقت ہے اور صداقت کا اثبات ہر ایک کے لئے لازمی امر ہے۔ ہم اپنے شیعہ بھائیوں کو یقین دلاتے ہیں کہ الفرقان کا نصب العین دلیل اور برہان کے رُو سے مسائلِ قرآنیہ کی وضاحت کرنا ہے۔ اختلافِ خیال کی صورت میں بھی الفرقان ہر قسم کی دلآزاری سے اجتناب کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ تمام اہلِ علم مسلمانوں کا فرض ہے کہ قرآن مجید کے پیش کردہ عقائد کو اپنائیں اور ان کی صحت پر دلائل و براہین قائم کریں۔ ہم بہت خوش ہوں گے اگر محترم مدیر صاحب کی اپیل کے مطابق شیعہ علماء بھی اس طریق کو اختیار فرمائیں۔!

دُرِّ نجف نے الفرقان کے خلافت نمبر پر اپنے نظریہ کے مطابق تبصرہ کیا ہے اسلئے بعض جگہ اس سے دانستہ یا نادانستہ غلطی ہو گئی ہے۔ بعض امور کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف ایک امر کا اظہار ضروری ہے کہ ہمارے خلافت نمبر کا مقصد کسی مزعومہ یا مفروضہ "سوادِ اعظم" کی خوشنودی حاصل کرنا نہیں بلکہ صرف قرآن مجید کے مقرر کردہ اصولِ خلافت کی تشریح اور تطبیق کرنا ہے۔ اگر صداقت کے اظہار پر کوئی خوش ہوتا ہے تو یہ اسکی خوش بختی کی دلیل ہے۔

(۲)

آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا اور جناب سید سلیمان صاحب ندوی

جناب مولوی سید سلیمان صاحب ندوی تحریر کرتے ہیں:۔

"قوموں کی ملکی محرومی اور سیاسی بدبختی خود اِس بات کا ثبوت ہے کہ اُن کے اخلاق و صفاتِ عالیہ کا پایہ کس حد تک پست ہو گیا ہے۔ عاد کے سیاسی تفوق و امتیاز کا دیگر ممالک میں گر جانا اس کی دلیل ہے کہ وہ اِس حد تک گر چکے تھے کہ جہاں پہنچکر خدا کا غضب قوموں پر بھڑکتا ہے اور اُن کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ بابل

اسیریاہ، فینیشیا، قرطاجنہ، یونان، روماں، فارس قدیم سب اسی کلیہ کے جزئیات ہیں۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا[1]

ایسے موقع پر خدا کا یہ قانون بھی ہے کہ قوم میں وہ کسی روحانی مصلح اعظم یعنی خود پیغمبر یا نائب پیغمبر (علماء ومصلحین) کو پیدا کرتا ہے، جو قوم کو عبرت دلاتا ہے۔ اسکے عیوب و مفاسد کی اصلاح کرنا چاہتا ہے، اسکو صلاح و ہدیٰ کی دعوت دیتا ہے، وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا[2]۔

لیکن تمام قوموں کی پچھلی تاریخ شاہد ہے کہ کبھی بدبختی کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ایک جماعتِ قلیل کے سوا عموماً اس کی آواز ہر طبقہ میں غیر مسموع ہوتی ہے، اور جو سُنتے ہیں وہ سمجھتے نہیں، اور جو سمجھتے ہیں وہ عامل نہیں۔ اور نتائج صرف عمل پر موقوف ہیں۔ اس وقت خدا کا غضب تلوار بن چمک کر آسمان سے گرج کر یا زمین سے پھٹ کر ظاہر ہوتا ہے، اور دوسری قوم کے لئے پہلی قوم کی جگہ صاف کر دیتا ہے۔" (ارض القرآن صفحہ ۱۶۴-۱۶۵)

الفرقان۔ جناب سید صاحب موصوف نے اس عبارت میں جس اٹل سُنّت اللہ کا ذکر فرمایا ہے اس کے لئے انہوں نے آیت قرآنی وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا سے سندلی ہے۔ جہاں تک اس استدلال کا تعلق ہے درست ہے اور تاریخِ ادیان اس استدلال کی صحت پر گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قوموں اور ملکوں کی تباہی سے پہلے نبی و رسول بھیجتا رہا ہے اور آئندہ بھی اس کی یہ سُنّت جاری رہے گی لیکن نہایت تعجب ہے کہ سید سلیمان ایسا عالم آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا کی تفسیر میں زبردستی سے علماء کو بھی رسول قرار دے رہا ہے۔ کیا یہ آیتِ قرآنی کی تفسیر بالرأی نہیں؟ ہمارے نزدیک علماءِ اسلام کا فرض ہے کہ اپنے خود ساختہ عقائد کو قرآن مجید کے تابع کریں نہ یہ کہ اپنے غلط عقیدہ کی وجہ سے قرآنی الفاظ میں ترمیم کرنا شروع کر دیں۔ کیا جناب سید صاحب موصوف اِس بارے میں اپنی پوزیشن صاف فرمائینگے؟

(۳)

آج نبی کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟

ماہ نامہ "طلوع اسلام" کراچی میں ایک مسلمان کا قول نقل کیا گیا ہے کہ:۔

"معاملہ اِس حد تک بگڑ چکا ہے کہ اس کی اصلاح میرے اور آپ کے بس کی بات نہیں۔ ساری دُنیا کے مسلمانوں پر نگاہ ڈالیئے کہیں زندگی کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔ ہر جگہ تنزّل، ہر مقام پر پستی، ہر شعبے میں انحطاط

---

[1] ترجمہ:۔ خدا کا قانون گذشتہ قوموں میں بھی یہی تھا، اور خدا کے قانون میں تبدیلی نہ پاؤگے۔

[2] ترجمہ:۔ اور ہم کسی قوم کو اُس وقت تک مبتلائے عذاب نہیں کرتے ہیں جب تک کہ ان میں پیغمبر نہ بھیج لیں۔

میں نہیں سمجھتا کہ ان حالات میں تبدیلی پیدا کرنا کسی انسان کے بس کی بات ہے۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اب کوئی رسول ہی آکر انقلاب پیدا کرے تو کرے۔"

اس آوازِ فطرت کے جواب میں "طلوعِ اسلام" لکھتا ہے کہ:-

"جس انقلاب کو ہم اپنی زندگی کا درخشندہ نصب العین قرار دیتے ہیں وہ انقلاب بشری قوتوں سے عمل میں آیا تھا۔ اور جو انقلاب ایک مرتبہ بشری قوتوں سے عمل میں لایا گیا تھا وہ دوسری بار بھی بشری قوتوں سے عمل میں آسکتا ہے۔ بشری قوتوں کے اُجاگر ہونے اور اس کے بعد ایک نقطہ پر مرکوز ہوکر شدت سے موثر بننے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ نصب العین کی صداقت پر یقین ہو اور اس کے حصول کے لئے دل میں تڑپ۔ وہ جماعت جس کا ہم اوپر ذکر کرتے چلے آ رہے ہیں یعنی محمد رسول اللہ والذین معہٗ اُن کے دل میں یہی یقین اور تڑپ تھی جس نے ان کی قوتوں کو اس درجہ نتیجہ خیز بنا دیا تھا۔ لیکن یہ چیز بھی مافوق البشر نہیں تھی۔ یہ ایمان ہر وقت پیدا کیا جا سکتا ہے ..... آج ہمارے پاس وہ ضابطہ رہنمائی بھی موجود ہے لیکن اس کے باوجود ہمارا خوف و حزن یقین اور اطمینان میں نہیں بدلتا اسلئے کہ ہمارا ایمان خدا کے اس فرمان پر نہیں کہ انقلاب اس ضابطہ کی اتباع سے رونما ہوگا۔" (طلوعِ اسلام بابت مئی ۵۲ء)

"طلوعِ اسلام" کا یہ جواب خود رسول کی آمد پر دلیل ہے۔ پہلی مرتبہ وہ انقلاب محمد رسول اللہ والذین معہ کے یقین اور اُن کی تڑپ سے پیدا ہوا۔ دوسری مرتبہ یہ انقلاب بغیر رسول کے نرے مدعیانِ ایمان کے دعوے سے کیونکر پیدا ہو جائے؟ آپ نے آوازِ فطرت کو دبانا چاہا مگر آپ کی فطرت نے خود آپ کو اعترافِ حق پر مجبور کر دیا۔ آپ ایک طرف فرماتے ہیں کہ "یہ ایمان ہر وقت پیدا کیا جا سکتا ہے" مگر دوسری طرف یہ بھی اقرار کر رہے ہیں کہ:-

"آج ہمارے پاس وہ ضابطہ رہنمائی (قرآن مجید) بھی موجود ہے لیکن اس کے باوجود ہمارا خوف و حزن، یقین و اطمینان میں نہیں بدلتا اسلئے کہ ہمارا ایمان خدا کے اس فرمان پر نہیں کہ انقلاب اس ضابطہ کی اتباع سے رونما ہوگا۔"

برادرِ من! آج اسی ایمان کے پیدا کرنے کے لئے رسول کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کی اتباع سے ہی انقلاب پیدا ہوگا۔ یہ ایمان چند مقالات یا چند لفظوں سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ ایمان اللہ تعالیٰ کے نشانات اور نبی کی قوتِ قدسیہ سے پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں انسان جان، مال اور وطن تک کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنے پیروؤں کے دلوں میں اسی ایمان کو پیدا کر کے انہیں یہ پیغام دیا ہے ؎

از رہِ دیں پروری آمد عروج اندر نخست ✦ باز مے آید اگر آید ازیں رہ بالیقیں

(۴)

کیا اشاعتِ اسلام کا فریضہ عالمانِ دین کے ذمہ نہیں؟

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (آل عمران) کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو اسلام کی طرف دعوت دے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرے۔ یہی لوگ کامیاب ہونگے۔
دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○ (التوبہ) کہ سارے مومن مرکزِ اسلام میں نہیں جا سکتے۔ کیوں ہر جماعت میں سے کچھ لوگ وہاں نہیں جاتے تاکہ وہ دین کے بارے میں تفقّہ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو انذار کریں تاکہ وہ غیر مسلم ایمان لاکر عذاب سے بچ جائیں۔

ان آیاتِ قرآنی کی روشنی میں ربّانی علماء نے ہمیشہ اسلام کی اشاعت کو اپنا فرض سمجھا ہے اور اس کے لئے انہوں نے ہر قسم کی قربانیاں کی ہیں۔ اگر ہمارے علماء سلف رحمہم اللہ دُور دراز کے سفر اختیار کرکے اسلام کا پیغام اکنافِ عالم میں نہ پہنچاتے تو آج دُنیا کے کونے کونے میں مسلمان موجود نہ ہوتے۔ یہ تو علماءِ حق اور ربّانی علماء کا طریقہ تھا مگر آج کا مولوی اشاعتِ اسلام کے لئے ذرہ بھر قربانی کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مگر وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ عوام مسلمان اس کی اس بے عملی پر انگشت نمائی کریں اسلئے اُس نے اپنی "منطق" کے زور سے اشاعتِ اسلام کو "عالمانِ دین" کے دائرۂ عمل سے ہی خارج کر دیا ہے۔ آجکل مودودی صاحبان حکومت و اقتدار کے حصول کے اہم کام کی خاطر شب و روز کوشاں ہیں، کسی نیک بخت نے انہیں اشاعتِ اسلام کے خالی میدان کی طرف توجہ دلائی تو جناب مدیر کوثر نے جھٹ ایک مقالہ بعنوان "اشاعتِ اسلام کہ اطاعتِ اسلام" لکھ مارا۔ جس میں بعض مسلمانوں کی "غلط فہمی کا ازالہ" بایں الفاظ فرمایا ہے کہ:-

> "مطلب یہ ہے کہ اشاعتِ اسلام کا پہلا قدم اطاعتِ اسلام ہے۔ اسلام ایک قوم بنانے نہیں آیا ہے جو عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور مجوسیوں کی طرح مسلمان کہلاتی ہو۔ اور نہ وہ صرف مسلمان کا مذہب ہے بلکہ اسلام تو پوری نوعِ انسانی کو صحیح زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتاتا ہے۔ یہیں سے اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ہوجاتا ہے جس میں بعض مسلمان مبتلا ہیں کہ وہ اشاعتِ اسلام کا فریضہ عالمانِ دین کے ذمے لگاتے ہیں اور ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ تم کیسے مولوی ہو جو گھروں میں بیٹھے ہو یا مسجد و منبر پر وعظ کہنے پر اکتفا کرتے

ہو۔ تم شہروں میں تو وعظ و تقریر کی محفلیں سجاتے ہو مگر دیہات میں نہیں جاتے اور ممالکِ غیر کا سفر اختیار کر کے کفار کو مسلمان نہیں بناتے ۔" (کوثر لاہور یکم جون ۵۲ء)

دیکھا آپ نے! کس خوبی سے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا گیا ہے کہ اشاعتِ اسلام کرنا علماء کے ذمہ ہے۔ جب ممالکِ غیر کا سفر اختیار کر کے کفار کو مسلمان بنانا ان کا کام ہی نہیں تو آپ "علماء" کو اس کے لئے مجبور کیوں کرتے ہیں؟ کیوں انہیں گھروں میں آرام کی نیند سونے نہیں دیتے یا زیادہ سے زیادہ شہروں کی پُر رونق محفلوں کی زینت بننے پر اکتفا نہیں کرنے دیتے تا وہ مسلمان کہلانے والوں کو مرتد اور کافر قرار دے کر دل کا جوش نکال لیں۔ آہ! ادھر مسلمان قوم کے علماء کی یہ دون ہمتی کہ وہ ممالکِ غیر میں اشاعتِ اسلام کے لئے جانے کے خیال سے ہی سہمے جا رہے ہیں اور اُدھر عیسائی قوم کی عورتیں ہیں کہ وطنوں سے دُور جنگلوں میں عیسائیت کی منادی کرتی پھرتی ہیں۔ سچ ہے ؎

عالماں را روز و شب باہم فساد از بہرِ نفس

زاہداں غافل سراسر از ضرورتہائے دیں

عربی اسباق کے متعلق ایک تجویز

الفرقان نے عربی زبان کی اشاعت اور ترویج کے لئے اسباق کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں عربی زبان سیکھنے کا شوق رکھنے والے دوستوں کے لئے تجویز کی گئی ہے کہ وہ ان اسباق کی تیاری میں اور ان کے سوالات کے حل میں ادارۂ الفرقان سے بذریعہ خط و کتابت بھی مدد حاصل کر سکتے ہیں۔

اس تجویز کے اعلان پر الفرقان کے خریداروں میں سے دو بہنوں نے مضمون بھجوائے ہیں ان کو مضمون بعد تصحیح واپس کئے جا رہے ہیں۔ احباب کے فائدہ کے لئے پھر اس تجویز کو دُہرایا جاتا ہے۔

اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے شرائط حسب ذیل ہیں :۔

(۱) مضمون کی واپسی کے لئے خرچ ڈاک ساتھ بھیجا جائے۔

(۲) کاغذ کے نصف صفحہ پر لکھا جائے۔

(۳) حتی الامکان خوشخط اور صاف لکھا جائے۔

(ایڈیٹر الفرقان)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

عربی سکھانے والا کتابی معلّم!

دُرُوسٌ فِي اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ

(۶)

اَلدَّرْسُ الثَّامِنَ عَشَرَ

(اٹھارھواں سبق)

۱ سُحُوْرٌ	۲ فُطُوْرٌ	۳ اَلْخَيْطُ
سحری کا کھانا	افطاری کا کھانا	دھاگا
۴ اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْفَجْرِ	۵ رَمَضُ الشَّمْسِ	
طلوع فجر کی سفید دھاری	تمازت آفتاب	
۶ كُتِبَ عَلَيْكُمْ	۷ اَلصِّيَامُ	۸ اَلْمِلْحُ	۹ اَلتَّمْرُ
تم پر فرض ہے	روزہ رکھنا	نمک	کھجور
۱۰ اَلْمَاءُ الْقُرَاحُ		
خالص پانی		

(۱) هَلْ اَنْتَ صَائِمٌ؟ کیا آپ روزہ دار ہیں؟

(۲) لَا، لِاَنِّي الْيَوْمَ مَرِيْضٌ۔ نہیں کیونکہ میں آج بیمار ہوں۔

(۳) اِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً۔ سحری کھانے میں برکت ہے۔

(۴) هَلْ تَنَاوَلْتَ الْيَوْمَ سَحُوْرًا؟ کیا آپ نے آج سحری کھائی تھی؟

(۵) نَعَمْ، تَسَحَّرْتُ قَبْلَ ظُهُوْرِ الْفَجْرِ۔ ہاں میں نے صبح ہونے سے پہلے سحری کھائی تھی۔

(۶) اَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟ یہ کونسا مہینہ ہے؟

(۷) هٰذَا شَهْرُ رَمَضَانَ الْمُبَارَكِ۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔

(۸) كُتِبَ عَلَيْنَا صَوْمُ رَمَضَانَ الْمُبَارَكِ۔ ہم پر رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔

(۹) مَتٰى يُفْطِرُ الصَّائِمُ؟ روزہ دار کب روزہ افطار کرتا ہے؟

(۱۰) يُفْطِرُ الصَّائِمُ بُعَيْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ۔ روزہ دار غروب شمس کے فوراً بعد روزہ افطار کرتا ہے۔

(۱۱) بِاَيِّ شَيْءٍ يُفْطِرُ الصَّائِمُ صَوْمَهٗ؟ کس چیز کے ساتھ روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے؟

(۱۲) هُوَ يُفْطِرُ صَوْمَهٗ بِالتَّمْرِ اَوِ الْمِلْحِ اَوِ الْمَاءِ الْقُرَاحِ اَوْ بِشَيْءٍ آخَرَ يُؤْكَلُ وَيُشْرَبُ۔ وہ اپنا روزہ افطار کرتا ہے کھجور یا نمک یا خالص پانی سے یا کسی اور ایسی چیز سے جو کھانے پینے کی ہو۔

مشق ۱

ترجمہ کریں:-

(۱) میں روزہ دار ہوں۔

(۲) تم روزہ نہ رکھو کیونکہ تم بیمار ہو۔

(۳) مسلمان رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں۔

(۴) کیا سحری کھانا ضروری ہے؟

(۵) سورج غروب ہوگیا ہے تم روزہ افطار کردو۔

(۶) میرے پاس کھجوریں نہیں ہیں میں کس طرح افطار کروں۔

(۷) آپ خالص پانی کا ایک گھونٹ پی کر افطار کرسکتے ہیں۔

(۸) تندرست مسلمان کیلئے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

(۹) ہاں! مسافر کے ذمہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پورا کرنا ہے۔

(۱۰) آپ نے اس سال کتنے روزے رکھے ہیں؟

(۱۱) آج صبح کتنے بجے آپ جاگے تھے؟

(۱۲) میں ٹھیک دو بجے جاگا تھا۔

مشق ۲

(۱) صَائِمٌ کونسا اسم اور کونسا صیغہ ہے؟

(۲) شَهْرٌ کی جمع کیا ہے؟

(۳) یُفْطِرُ کا مصدر کیا ہے؟

(۴) رمضان کا نام رمضان کیوں رکھا گیا؟

(۵) اَیُّ کے بعد اسم پر کیا اعراب آتا ہے؟

الدَّرْسُ التَّاسِعَ عَشَرَ ۱۹

(انیسواں سبق)

اَعْيَادٌ ۱	اَفْوَاجٌ ۲	اَلْمُصَلّٰى ۳	زُرَافَاتٍ ۴
عیدیں	جماعتیں	عیدگاہ	جماعت وار
وُحْدَانًا	يَخْطُبُ	عِمَامَةٌ خَضْرَاءُ	جُبَّةٌ جَمِيلَةٌ
اکیلے اکیلے	خطبہ کہتا ہے	سبز پگڑی	خوبصورت کوٹ
يَلْعَبُونَ	فَرِحُونَ	طَعَامًا شَهِيًّا	اُكُلٌ وَّشُرْبٌ
کھیلتے ہیں	خوش (جمع ہے)	عمدہ کھانا	کھانا پینا

(۱) اِنَّ اَيَّامَ الْاَعْيَادِ اَيَّامُ فَرَحٍ وَّسُرُوْرٍ۔ عیدوں کے دن خوشی اور مسرت کے دن ہوتے ہیں۔

(۲) لِلْمُسْلِمِيْنَ عِيْدَانِ عِيْدُ الْفِطْرِ وَعِيْدُ الْاَضْحٰى۔ مسلمانوں کے ہاں دو عیدیں ہوتی ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔

(۳) يَخْرُجُ الْمُسْلِمُوْنَ يَوْمَ عِيْدِهِمْ اِلَى الْمُصَلّٰى زُرَافَاتٍ وَّوُحْدَانًا۔ عید کے دن مسلمان عیدگاہ کی طرف جماعت وار اور اکیلے اکیلے جاتے ہیں۔

(۴) قَدْ قَامَ الْخَطِيْبُ عَلَى الْمِنْبَرِ يُلْقِيْ خُطْبَتَهٗ۔ خطیب منبر پر کھڑا خطبہ دے رہا ہے۔

(۵) اِنَّهٗ لَبِسَ عَلٰى رَاْسِهٖ عِمَامَةً خَضْرَاءَ۔ اس نے اپنے سر پر سبز پگڑی پہن رکھی ہے۔

(۶) اِنَّ جُبَّةَ اَخِيْكَ جَمِيْلَةٌ۔ تیرے بھائی کا کوٹ خوبصورت ہے

(۷) اَلْاَطْفَالُ يَلْعَبُوْنَ فَرِحِيْنَ يَوْمَ الْعِيْدِ۔ بچے عید کے دن خوش خوش کھیلتے ہیں۔

(۸) قَامَتْ اُخْتُ زَيْدٍ مِنْ نَوْمِهَا وَطَلَبَتْ ثِيَابًا جَدِيْدَةً۔ زید کی بہن نیند سے جاگی اور اس نے نئے کپڑے مانگے۔

(۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَّامُ الْعِيْدِ اَيَّامُ اُكُلٍ وَّشُرْبٍ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عید کے دن کھانے پینے کے دن ہیں۔

(۱۰) لَا يَجُوْزُ الصَّوْمُ يَوْمَ الْعِيْدِ۔ عید کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں۔

(۱۱) تُحْضِرُ الْاُمُّ طَعَامًا شَهِيًّا يَوْمَ الْعِيْدِ۔ ماں عید کے دن لذیذ کھانا تیار کر رہی ہے۔

(۱۲) اَيْنَ مُصَلّٰى هٰذِهِ الْقَرْيَةِ۔ اس گاؤں کی عیدگاہ کہاں ہے؟

اسلام ہی زندہ مذہب ہے

قرآن کریم ایک مختصر سی کتاب ہے مگر معانی اور مطالب کے لحاظ سے غیر محدود ہے

[۱۷/۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو جماعت احمدیہ کراچی کا سالانہ جلسہ جہانگیر پارک کراچی میں منعقد ہوا۔ ۱۸ مئی کے اجلاس میں عزت مآب جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ پاکستان نے "اسلام ہی زندہ مذہب ہے" کے عنوان سے ایک نہایت دلچسپ اور ایمان افروز تقریر فرمائی۔ ذیل میں وہ تقریر درج کی جاتی ہے (ایڈیٹر)]

اسلام اور دیگر مذاہب میں امتیاز

مجھے آج یہاں تقریر کرنے کے لئے کہا گیا تو ساتھ ہی یہ سوال کیا گیا کہ مَیں کس موضوع پر تقریر کرنا پسند کروں گا۔ مَیں نے جلسہ کے پروگرام میں اعلان کے لئے اپنی تقریر کا عنوان نہیں بتایا تھا لیکن اب اس کا مَیں خود اعلان کرتا ہوں۔ میری تقریر کا موضوع "زندہ مذہب" ہے۔ کہنے کو تو یہ دو لفظ ہیں مگر ان میں بہت وسیع مضمون ہے۔ ہر ایک وہ انسان جو اپنے آپکو اسلام سے وابستہ قرار دیتا ہے عنوان سے ہی سمجھ لے گا کہ اسلام کا دوسرے مذاہب کے مقابل پر "زندہ مذہب" ہونا ثابت کرنا ہی میرا مقصود ہوگا۔ دُنیا میں بہت سے مذاہب ہیں اور ہر مذہب کا بانی کوئی نہ کوئی نبی ہے تو کیا یہودیت، عیسائیت، بُدھ ازم، ہندو مذہب یا دیگر مذاہب کا آج یہ حق نہیں کہ وہ بھی اپنے مذہب کو زندہ قرار دیں؟ آخر وہ مذاہب آج کیوں زندہ نہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیوں ہم اسلام کو دوسرے ادیان کے مقابل پر زندہ مانتے ہیں؟ انبیاء تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی بہت سے آئے جن میں سے بعض شریعت لائے اور بعض پہلی شریعتوں کے استحکام اور ان کی تفاصیل کو بیان کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ مثلاً یہودی اور عیسائی تورات اور انجیل پر اور ہندو رام چندر اور کرشن کی تعلیمات پر، بُدھ مذہب والے گوتم بُدھ کی تعلیمات پر اور ایسے ہی پارسی زرتشت علیہ السلام کی تعلیم پر اپنے آپکو عمل پیرا قرار دیتے ہیں! وہ ان سب کتب مقدسہ یا شریعتوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ بتاتے ہیں۔ اور اپنے تئیں صاحب شریعت نبی کی طرف منسوب کرتے ہیں تو پھر وہ امتیاز کیا ہے جو اسلام کو دوسرے مذاہب سے ہے؟

اسلامی شریعت مکمّل اور ہمیشہ رہنے والی ہے

پہلے تمام انبیاء خاص وقتوں اور خاص قوموں کی طرف ان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے آئے تھے اور انکی ہدایات اُن کے زمانہ کی ضرورت تک محدود تھیں لیکن

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام دُنیا اور تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث فرمائے گئے اور آپؐ کو جو شریعت دی گئی وہ ایک مکمل اور ہمیشہ قائم رہنے والی شریعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو صاحب شریعت نبی کے علاوہ خاتم النبیّین بھی ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

ما کان محمّد ابا احد من رجالکم
ولٰکن رسول اللّٰہ وخاتم النّبیّن۔

(احزاب پ ۲۲ ع ۲)

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کیوں یہ مرتبہ اور یہ مقام عطا فرمایا اور کیسے اس مرتبہ کے ساتھ اسلام کی زندگی دوسروں پر ثابت ہوتی ہے۔

دُنیا کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کی ترقی متعدد ارتقائی ادوار سے گزر کر ایک اعلیٰ مقام تک پہنچی ہے اور ایسے ہی انسانی قویٰ اور ذہن اور عقل وفہم کی ارتقائی منازل بھی تدریجاً ترقی پذیر ہوئی ہیں۔

دوسری طرف ہمیں اللہ تعالیٰ کا رُوحانی سلسلہ بھی اسی طرح نظر آتا ہے۔ چنانچہ شروع میں حضرت آدم علیہ السلام کے وقت بالکل چند ابتدائی تمدّنی اصولوں پر شریعت مشتمل تھی۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کے وقت اور زیادہ وضاحت ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت کچھ اور زیادتی ہوئی اور شریعت کے احکام میں قدرے تخصیص آگئی۔ حضرت مسیح پر بھی ایک رنگ میں وضاحت کی گئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں ابھی ارتقائی ترقی کامل نہ تھی اسی لئے حضرت مسیح نے فرمایا ہے۔

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں
مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔
لیکن جب وہ یعنی سچائی کا رُوح آئے گا
تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا"

(یوحنا ۱۶/۱۲)

حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول سے مراد یہی ہے کہ بنی نوع انسان کا ذہنی ارتقاء ابھی کامل شریعت کا حامل نہیں ہو سکا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس قدر کافی تھا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کے اصول نبی پر واضح فرما دیتا اور نبی اپنی قوم کو اپنے الفاظ میں سمجھا دیتا۔ اللہ تعالیٰ کبھی رؤیا کے ذریعہ، کبھی کشف کے ذریعہ، کبھی براہ راست تفہیم قلبی کے ذریعہ اور شاذ شاذ اپنے کلام کے ذریعہ نبی پر ہدایت ظاہر کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق گو یہ آتا ہے کَلَّمَ اللّٰہُ مُوسٰی تَکْلِیْمًا لیکن ان کی کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت اُن کے قلب میں ڈالی گئی تھی لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت جب نسل انسانی پر وہ زمانہ آگیا جب اللہ تعالیٰ کے علم میں انسان اس کی امانت کا پورے طور پر متحمل ہو چکا تھا اور بنی آدم اب مختلف ٹکڑوں کی صورت چھوڑ کر "اعضاءِ یک دیگر اند" کی تشکیل اختیار کرنے والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کامل ہدایت یعنی قرآن کریم کو اپنے الفاظ میں نازل فرمایا۔ اور اس کا یہ نزول اور اس کی حفاظت تاریخی حیثیت سے

بھی ثابت ہے۔ اس کے علاوہ یہ شریعت کامل بھی ہے۔ اس میں تمام ہدایت بھی ہے، یہ ہمیشہ کے لئے تَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ بھی ہے۔ مخالفین اِس کو سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن اِس کا اقرار وہ ضرور کرتے ہیں کہ یہ وہی کلام ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کا کلام بتا کر دُنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور یہ کلام خود اپنے اندر یہ دعویٰ بھی رکھتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔

لیکن باقی صحیفے نہ تو یہ دعویٰ کرتے ہیں اور نہ اِس طرح دائمی اور مکمل ہی تھے۔ بلکہ وہ محدود شریعتیں تھیں اور محدود زمانہ کے لئے تھیں۔ موسوی شریعت اور اس کی تفاصیل اور ہدایات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں میں ہیں اور پھر اس کی وضاحت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر ملاکی نبی تک کئی کتابوں میں ہے۔ اگر پہلے نبیوں کے قلب پر محدود زمانہ کے لئے ایک خاص قوم کی طرف نازل کردہ ہدایت کی تشریح پانچ کتابوں یا جلدوں میں ہوتی ہے تو پھر بتائیے یہ کامل اور ہمیشہ کفایت کرنے والی شریعت بھی اگر اسی طرح معنوی طور پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جاتی تو اس کی تفصیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ میں کتنی جلدوں میں سماتی؟ اور پھر کتنا بوجھ اس کے مطالعہ اور اس کی تفاصیل اور ہدایت پر احاطہ کرنے کے لئے اٹھانا پڑتا؟

لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت نے ان تمام مشکلات کا حل یوں فرمایا کہ اپنی اِس شریعت کو اپنے جامع کلام اور معیّن الفاظ میں نازل فرمایا۔

پس اِس لحاظ سے بھی یہ ایک ایسی امتیازی بات اور خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اسلام آج زندہ مذہب کہلاتا ہے۔ باوجود اس قدر مکمل اور جامع ہونے کے قرآن کریم ایک چھوٹی سی کتاب ہے اور اس قدر مختصر ہے کہ اسے دس گھنٹوں میں تلاوت کیا جا سکتا ہے۔ مگر قرآن مجید معانی اور مطالب کے لحاظ سے محدود نہیں ہے۔ اور قرآن مجید کے اِس امتیاز کا ذکر پہلے صحیفوں میں بھی بطور پیشگوئی موجود ہے (دیکھو یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۲۔ استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸)

اس کی جامعیت کے متعلق خود قرآن کریم میں بھی آیا ہے

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (سورہ کہف)

مثل مشہور ہے کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا لیکن یہاں تو ایک صحیفہ میں ہدایت کے کئی سمندر بند ہیں۔ قرآن مجید ایک زندہ جہان ہے، ایک کائنات ہے۔ جیسے کائنات ارضی میں سے تازہ بتازہ سامان انسانی ضروریات کے پورا کرنے کے مہیا ہوتے چلے جاتے ہیں اسی طرح کلام اللہ سے ہر قسم کی معرفت اور ہدایت میسر آتی چلی جاتی ہے۔ یہ زمین جو ایک چھوٹے سے چھوٹے ستارے سے بھی چھوٹی ہے اس کی نئی نئی چیزوں اور تازہ بتازہ سامانوں کا بھی ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ تو پھر ایک ایسا کلام جو لامحدود زمانوں کے لئے ہے اور تمام نسل انسانی کے لئے ہے کیونکر اپنے مطالب کے لحاظ سے محدود ہو سکتا ہے؟

قرآن کریم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی

اِن سب خوبیوں کے علاوہ اس میں یہ بھی ایک خاص

خوبی موجود ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ لیکن دوسری تمام شریعتوں میں تحریف و تبدل ہو چکا ہے۔ اور بعض شریعتوں کی تو زبانیں ہی دنیا سے مر چکی ہیں۔ اور بعض ہدایت ناموں سے اُن کے زمانہ میں ہی بعض وہ قومیں محروم ہو گئیں جن کی ہدایت کے لئے وہ بھیجی گئی تھیں۔ بعض کے پیروؤں نے اس میں تحریف کر ڈالی اور اکثر دفعہ ان کی تشریح اور مطالب میں اس قدر اختلاف ہو گیا کہ لوگوں کا اُن پر سے وثوق اور یقین اُٹھ گیا۔ حالانکہ کسی ہدایت پر عمل اسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک کہ یہ کامل یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہی منشاء ہے جو ہمارے سامنے بیان کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ

پہلے نوشتوں کی طرح قرآن کریم کے متعلق تحریف و تبدل کا خطرہ نہیں کیونکہ خود قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے اس کے نزول کے ساتھ ہی اس کی حفاظت کا وعدہ فرما دیا تھا۔ چنانچہ فرمایا:-

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ
لَحَافِظُونَ ۝

کہ ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

اس وعدہ کی تکمیل کے لئے تین پہلوؤں سے حفاظت ضروری ہے:-

(۱) صوری یا لفظی۔ قرآن کریم کی اس صحت اور حفاظت کے آج چودہ سو سال گذر جانے کے بعد بھی نہ صرف مسلمان ہی بلکہ مخالفین اسلام بھی قائل ہیں۔ یہ کتنا بڑا نشان ہے کہ ایک اُمّی نبی کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے جو کلام دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اور جس کلام کو پہلے چمڑے کے ٹکڑوں اور پتوں وغیرہ پر لکھا گیا تھا اس کا ایک ایک شعشہ آج بھی صحیح موجود ہے اور محفوظ ہے۔ اس سے بڑھ کر قرآن مجید کے زندہ شریعت ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

(۲) دوسری حفاظت زبان اور لغت کی ہے۔
وقت کی قلت کی وجہ سے میں عربی زبان کی وسعت کے متعلق کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ تاہم یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمام شریعتوں کی زبانیں یا تو مسخ ہو چکی ہیں یا مٹ چکی ہیں لیکن عربی زبان جو شریعتِ اسلامیہ کی زبان ہے وہ بفضلہ تعالیٰ اپنی پوری شان سے زندہ اور رائج ہے اور دنیا کی آبادی کا ایک بہت بڑا طبقہ اسے بول رہا ہے۔

(۳) تیسری حفاظت معنوی ہوتی ہے۔
جہاں تک محض حکمت کے بیان کرنے میں تنوع کا تعلق ہے اس سے کوئی پریشانی پیدا نہیں ہوتی بلکہ ذہنی ارتقاء ہوتا ہے لیکن جب احکام اور فلسفہ ہدایت کی تفصیل یا خود شرعی احکام کے سمجھنے میں اختلاف اور تناقض پیدا ہو جائے تو نہ صرف ذہنی پریشانی پیدا ہو گی بلکہ عمل بھی سست ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ یَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا والی حالت پیدا ہو جائے گی۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت

اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالت پیدا ہو چکی ہے اور مسلمانوں کے اعمال و افعال بوجہ ان تناقضات کے اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ آج اگر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف لائیں تو اِن لوگوں کو اپنے اصحاب نہیں قرار دیں گے۔ اور دُنیا کا کوئی حصّہ ایسا نہیں جہاں یہ حالت نہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم یافتہ پڑھے لکھے اور عربی دان اور قرآن کریم کے حافظ آج بھی مسلمانوں میں موجود ہیں لیکن لوگوں میں آج وہ یقین اور وثوق نہیں ہے اور اسی یقین اور وثوق کے پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ مثلاً اِس زمانہ میں قرآن کریم مخالفوں اور خود مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں میں موردِ طعن بنا ہوا ہے اور اِس کا نتیجہ انفرادی بداعمالی اور قومی تفرقہ وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اِس زمانہ میں خود مسلمانوں کے نہ صرف عمل سے بلکہ ان کے الفاظ سے بھی ناقابلِ عمل یا بے فائدہ اور تضیعِ اوقات کا موجب شمار کئے جانے لگے ہیں اور مخالفوں خصوصیت سے مغربی ممالک اور فلسفہ دانوں کی طرف سے جس قدر بوچھاڑ اعتراضات کی قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اُنیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں کی گئی اس کی پہلے مثال نہیں ملتی۔ مسلمانوں کے پاس سوائے عُذر خواہی کے اور کچھ باقی نہ رہا تھا۔ اور یہ بات مسلمانوں کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوئی۔ چنانچہ مسلمان گروہ در گروہ اسلام سے منحرف ہو کر دوسرے مذاہب میں چلے گئے۔ اسلامی عبادات اور اعمال کو تضیع اوقات سمجھنے لگے۔ یہ سب کچھ ہماری زندگیوں میں ہوا۔ جب میں بچہ تھا تو جو احترام اسلام کا میں نے دیکھا وہ آج نہیں ہے۔ ظھر الفساد فی البرّ والبحر بما کسبت ایدی الناس کے مطابق یہ اچھی تعلیم اوجھل ہو گئی، حکمت اور ہدایت میں اختلاف ہو گیا۔ پختہ یقین نہیں رہا، عمل سُست ہو گیا ہے، مخالفین کی یورش بڑھ گئی ہے، برکات جاتی رہیں اور قرآن اور اسلام موردِ طعن ہو گئے ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ اسلام کی حفاظت

مسلمانوں کی اس حالت کے پیشِ نظر اب حفاظت کے تیسرے پہلو کی ضرورت پیش آئی۔ اللہ تعالیٰ جو صادق الوعد ہے اس نے اپنے وعدے کے مطابق یہ حفاظت بھی فرمائی۔ اگر اس وعدہ کو اللہ تعالیٰ پورا نہ کرتا تو پھر اسلام موردِ الزام ٹھہرتا۔ کیونکہ اور کونسا ایسا نازک وقت اور زمانہ مسلمانوں پہ آئے گا کہ مسلمانوں کی حالت اِس سے زیادہ خراب ہو گی۔ آج پھر یقیناً اِس چیز کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے عمل سے اور نمونہ سے اسلام کی خوبیوں کو دُنیا پر پیش کریں۔ اِس حد تک تمام مسلمان ہمارے ساتھ متفق ہیں۔ اور اگر ایسی حفاظت کا وعدہ اور انتظام اسلام میں نہیں تو پھر کونسی صورت موجودہ حالات میں نجات اور ترقی کی اسلام میں ہے۔ اور اگر ایسا وعدہ ہے اور ربوبیت کا تقاضا بھی ہے کہ ایسا ہو تو پھر وہ کیا انتظام ہے؟ اگر تو قرآن کریم کے بعد کسی اور شریعت کے آنے کا امکان ہوتا تب ہم نئی شریعت کا انتظار کرتے لیکن اسلام کا ہدایت نامہ تو ہمیشہ کے لئے ہے۔

رسُول کریمؐ کا غلام ہی اس حالت کی اصلاح کریگا

عام مسلمانوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خود بجسدِ عنصری دوبارہ تشریف لائینگے اور اسلام کا احیاء فرمائیں گے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو خاتم النبیّین ہیں آپ کی نبوّت کے سوا سب نبوّتیں ختم ہو گئیں۔

"لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے"

اور اگر آپ کی اُمت سے باہر کا کوئی نبی آتا ہے تو مہرِ ختمیت ٹوٹتی ہے۔ دراصل احیاءِ دین کا کام تو اسی شخص سے ہوسکتا ہے جو آپ ہی کا غلام اور اُمتی اور مطیع اور تابع ہو اور آپ ہی کے نور سے منور ہو اور آپ ہی کے نُور کی روشنی سے اس مرتبہ پر فائز ہو اور اس کام کو سرانجام دے۔ اس شخص کے متعلق بات واضح ہے کیونکہ میدان میں ایک ہی مدعی ہے' ضرورت واضح ہے' وعدہ موجود ہے' اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تقاضا کر رہی ہے اور صرف ایک مدعی ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مقام پر کھڑا کیا ہے اور یہ کام تجدیدِ دین' احیائے اسلام اور قیامِ شریعت کا میرے سپرد فرمایا ہے' یہ کوئی معمولی دعویٰ نہیں۔

ایک عاقل اور خدا ترس شخص یقیناً ایسا دعویٰ غلط طور پر نہیں کرسکتا جو ایسا دعویٰ بطور افترا کے کرتا ہے اوّل تو اسکی زندگی خود اسکے خلاف شاہد ہوگی دوسرے وہ خدا تعالیٰ کی گرفت سے باہر نہیں رہ سکتا۔ پرانے نوشتوں میں بھی وعید موجود ہے اور قرآن کریم نے بھی لوتقول علینا بعض الاقاویل میں دردناک گرفت کے وعید کا اعلان فرمایا ہے۔

خدا ترس انسان کے لئے مقامِ غور!

صالح اور خدا ترس انسان کیلئے یہ بہت غور کا مقام ہے۔ ایک مومن متقی' صالح انسان کے منہ سے ایسا دعویٰ سنتے ہی مومن تو وجد میں آجائیگا اور دین اور ایمان کے ساتھ تھوڑی سی حس رکھنے والا بھی اپنی نیتیں کم سے کم یوں سمجھانے کی کوشش کریگا۔ ان یكُ کاذباً فعلیه کذبه' وان یك صادقاً یصبکم بعض الذی یعدکم (المومن) کہ اگر یہ مدعی جھوٹا ہے تو اسکا جھوٹ اسی پر پڑیگا اور اگر یہ سچا ہے تو اس کے بیان کردہ بعض وعدے تم کو پہنچ جائیں گے۔"

ہم دیکھتے ہیں جب زمین خشک ہوجاتی ہے عین وقت پر اللہ تعالےٰ کی رحمت باران کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے تو ایسا ہی اسلام کے باغ کی آبپاشی اور شادابی کے لئے بھی ہوُا۔

اب اس شخصِ مدعی کے متعلق ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کا اسلام' اللہ تعالیٰ' رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کے ساتھ کیسا تعلق و رشتہ ہے۔ اگر وہ اسلام پر ہی ایمان نہیں رکھتا اور کسی اور دین کی طرف بُلاتا ہے تو ہماری دلیل ہی باطل ہوجاتی ہے۔

میں یہاں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے کلام منظوم میں سے چند اشعار پیش کرتا ہوں جن سے واضح ہوجائیگا کہ حضورؑ کا تعلق اللہ تعالیٰ' حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم' اسلام اور قرآن کریم کے ساتھ کیسا تھا۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں سے چودھری صاحب نے تقریباً پندرہ بیس منٹ تک بہت سی نظمیں اور چیدہ چیدہ اشعار پڑھے جن میں سے چند حصے پیش کئے جاتے ہیں)

خدا تعالےٰ کے متعلق:-

اے دلبر و دلستان و دلدار — اے جانِ جہان و نورِ انوار
لرزاں ز تجلیت دل و جاں — حیراں ز رخت قلوب و ابصار
در ذاتِ تو جز تحیرے نیست — ہنگامِ نظر نصیبِ افکار
آں کیست کہ منتہائے تو یافت — واں کو کہ شود محیطِ اسرار
چشم و سرِ ما فدائے رویت — جان و دلِ ما بتو گرفتار
عشقِ تو بنقدِ جاں خریدیم — تا دم نہ زند دگر خریدار

قرآن کریم کے متعلق:-

جمال و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے — قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اسکی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا — بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاک رحماں ہے
بہارِ جاوداں پیدا ہے اسکی ہر عبارت میں — نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق :-

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است

دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش
در ہر مکان ندائے جمالِ محمدؐ است

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرۂ زبحرِ کمالِ محمدؐ است

ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمدی است
ویں آبِ من ز آبِ زلالِ محمدؐ است

اسلام کے متعلق :-

ما مسلمانیم از فضلِ خدا ۔۔۔ مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
اندریں دیں آمدہ از مادریم ۔۔۔ ہم بریں از دارِ دنیا بگذریم
آں کتابِ حق کہ قرآں نامِ اوست ۔۔۔ بادۂ عرفانِ ما از جامِ اوست
آں رسولے کش محمدؐ ہست نام ۔۔۔ دامنِ پاکش بدستِ ما مدام
مہرِ او باشیر شد اندر بدن ۔۔۔ جان شد و با جاں بدر خواہد شدن
ہست او خیر الرسل خیر الانام ۔۔۔ ہر نبوت را برو شد اختتام

خدا تعالیٰ کے روبرو اقرار اور دُعا

اے قدیر و خالقِ ارض و سما ۔۔۔ اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر ۔۔۔ اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر ۔۔۔ گر تو دیداستی کہ ہستم بدگہر
پارہ پارہ کن منِ بدکار را ۔۔۔ شاد کن ایں زمرۂ اغیار را
بر دلِ شاں ابرِ رحمت ہا ببار ۔۔۔ ہر مرادِ شاں بفضلِ خود برار
آتش افشاں بر در و دیوارِ من ۔۔۔ دشمنم باش و تباہ کن کارِ من
ور مرا از بندگانت یافتی ۔۔۔ قبلۂ من آستانت یافتی
در دلِ من آں محبت دیدۂ ۔۔۔ کز جہاں آں راز را پوشیدۂ

با من از روئے محبت کار کُن
اندکے افشائے آں اسرار کُن

آخر میں جناب چودھری صاحب نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ سے پہلے مُسلمانوں کی نہایت ناگفتہ بہ حالت تھی۔ مسلمان مولوی پادریوں اور آریہ پنڈتوں کے آگے آگے بھاگے پھرتے تھے۔ لیکن آپؑ کے دعویٰ کے بعد یہ حالت بدل گئی۔ کسی مسلمان کو آج بھی جب کسی آریہ سے، ہندو یا عیسائی سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے تو وہی دلائل پیش کرتا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں درج ہیں کیونکہ ان دلائل کے بغیر آج چارہ نہیں۔ آج یہ حالت ہے کہ آریہ پنڈت اور عیسائی پادری احمدی علماء کے سامنے دم مارنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

اِن تمام باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ احمدیّت خدا تعالےٰ کا لگایا ہؤا پودا ہے۔ یہ پودا اسلام کی حفاظت کی غرض سے کھڑا کیا گیا ہے جس کا وعدہ قرآن مجید میں دیا گیا تھا۔ اگر نعوذ باللہ حضرت مسیح موعودؑ کے وجود کو درمیان میں سے نکال دیا جائے تو اسلام کا زندہ مذہب ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اسلام بھی دیگر مذاہب کی طرح ایک خشک درخت شمار کیا جائے گا اور اسلام کی کوئی برتری دیگر مذاہب سے ثابت نہیں ہوسکتی۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قرآن کریم کے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آ سکتی

بہائیوں کے ایک غلط استدلال کی تردید

قرآن مجید جامع شریعت ہے۔ انسان کی سب ضروریات کا علاج اس میں موجود ہے اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰانِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ (الانعام ۱۶۲) کہ تو کہدے کہ میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیدی ہے اس حال میں کہ وہ ہمیشہ قائم رہنے والا دین ہے۔ ابراہیمؑ کی ملت ہے جو حنیف تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا"

قرآن مجید کے بعد نئی شریعت کے مدعی مذہب کا فرض ہے کہ وہ اوّلؔ قرآن مجید کا ناقص ہونا ثابت کرے اور دوّمؔ قرآن مجید سے بہتر تعلیم پیش کرے۔ بہائی لوگ اس صحیح طریق کی بجائے وسوسہ اندازی کا طریق اختیار کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ "خدا تعالیٰ کی سنّت کبھی بدلا نہیں کرتی۔ نئی شریعت بھیجنا خدا کی سنّت ہے پس یہ سنّت بھی بدل نہیں سکتی" بہائیوں کا یہ استدلال کئی لحاظ سے غلط ہے:-

اوّل:- نبی بھیجنا خدا کی سنّت ہے مگر بہائی مانتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجنے بند کر دیئے ہیں۔ وہ خاتم النبیین کے معنے نبیوں کو بند کرنیوالا قرار دیتے ہیں۔ بہائی رسالہ لکھتا ہے:-

"اہلِ بہاء دورِ نبوت کو ختم جانتے ہیں۔ اُمتِ محمدیہ میں بھی نبوت جاری نہیں سمجھتے" (کوکب ہند دہلی ۲۴ جون سنہ ۱۹۲۶ء)

اب اہلِ بہاء بتائیں کہ جب نبی بھیجنا خدا کی سنّت ہے تو اب یہ سنّت کیوں بند ہے؟ اگر دورِ نبوت کو ختم قرار دینے سے سنّت اللہ میں فرق نہیں آتا تو دورِ شریعت جدیدہ کو ختم ٹھہرانے سے سنّت اللہ میں کیوں فرق آجاتا ہے؟

دوّم:- بیشک ہدایت کے سامان ہمیشہ قائم رکھنا الٰہی وعدہ و سنّت ہے۔ اگر ہدایت سابقہ یا شریعت سابقہ ناقص ہو یا محرف مبدّل ہو جائے تو بیشک نئی شریعت کا آنا سنّت اللہ میں داخل ہے لیکن جب ایسا نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کامل شریعت ہے اور اس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود وعدہ فرمایا ہے اور عملاً بھی وہ ہر طرح سے محفوظ ہے تو محض "سنّت اللہ" کے لفظ کی آڑ لیکر قرآن مجید کو منسوخ قرار دینا کتنا غلط قدم ہے؟

سوّم:- سنّت اللہ کی تعیین اور اس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بہائی لوگ بتائیں کہ کہاں لکھا ہے کہ ہر شریعت کے بعد نئی شریعت آئے گی؟ جب ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہمیشہ کے لئے قائم رہنے والی شریعت ٹھہرایا ہے اور عملاً بھی قرآن مجید دائمی شریعت ثابت ہو رہا ہے تو پھر از خود اس کے نسخ کے طریق کو اختیار کرنا سراسر باطل ہے۔

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام پر نازل ہونیوالی اصل انجیل

(اور)

اُس کی موجودگی کے تاریخی شواہد

ہندوستان میں عبرانی انجیل کے آثار!

(از قلم جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائل پور)

قرآن مجید کا دعویٰ قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ انکشاف فرمایا کہ اہل کتاب نے کچھ کتب الہیہ تو بگاڑ دی ہیں اور کچھ گم کر دی ہیں۔ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ

نصاریٰ کی طرف سے یہاں سوال کیا جاتا ہے کہ جب انجیل سے بہت پرانے صحیفے کسی نہ کسی حالت میں موجود ہیں تو پھر اس انجیل کے آثار ملنا بھی ضروری ہیں جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو دی گئی۔ کم از کم اتنا تو ثبوت ملنا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی انجیل کسی وقت دُنیا میں موجود تھی۔ اِس مقالہ کے لکھنے کی غرض اِس سوال کا جواب دینا اور قرآن مجید کے دعویٰ کو پایۂ تحقیق تک پہنچانا ہے آئیندہ سطور میں ہم یہ ثابت کریں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل انجیل دُنیا میں موجود تھی، بعض حادثات کی وجہ سے وہ ضائع ہو گئی اور اس کی بجائے نئی نئی انجیلیں رائج ہو گئیں۔

انجیل کے معنے انجیل یونانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کی یونانی شکل جس سے یہ مشتق ہے "ایونجلیون" (EVANGELION) ہے۔ اصل زبان میں اِس کا مفہوم ہے، وہ انعام جو خوشخبری پر دیا جاتا ہے۔ عام استعمال میں اس کے معنے خوشخبری یا نوید کے ہیں۔ یہ نام اوّلاً حضرت مسیحؑ نے خود اپنے پیغام کے متعلق استعمال کیا (متی ۲۴/۱۴) اور پھر اناجیل اربعہ کے مصنفین نے بھی اسی کی اتباع کی۔ اور حضرت مسیح ناصریؑ کے پیغام کو انجیل کے نام سے موسوم کیا۔ (متی ۴/۲۳ و مرقس ۱/۱)

موجودہ اناجیل کے لئے لفظ انجیل جناب مسیحؑ سے ڈیڑھ سو برس بعد استعمال ہونے لگا۔ اس سے پہلے اِن کتابوں کو انجیل کے نام سے موسوم نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ ان کو حواریوں یا اَور لوگوں کی تصنیفات کا درجہ دیا جاتا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا ببلیکا کالم ۱۸۸۹)

پادری ڈاکٹر ایچ۔ یوسٹینٹن اپنی تفسیر متی میں لکھتے ہیں کہ کئی پُشتیں گزرنے کے بعد مروّجہ اناجیل کو "انجیل" کا نام دیا گیا۔ (تفسیر متی اُردو صہ ۱۴)

انجیل کی زبان اِس عنوان کے نیچے ہم پادری کینن برکت اللہ ایم۔ اے فیلو آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کی کتاب "تاریخ کلیسیائے ہندوستان" حصہ دوم سے ایک اقتباس

مندرجہ ذیل کرتے ہیں:۔

"موجودہ انجیل ....کا متن یونانی ہے۔ لیکن کلمۃ اللہ کی مادری زبان مغربی آرامی تھی۔ (اعمال ۲۶:۱۴-۱۰) جو صدیوں سے ارض مقدس میں رائج تھی۔ اور پہلی صدی مسیحی میں بحر اسود سے بالائی مصر اور ساحل ہند سے ایجین تک بولی جاتی تھی۔ اس وجہ اور دیگر وجوہ کی بنا پر امریکہ کا پروفیسر ٹورّی کہتا ہے کہ اناجیل پہلے پہل آرامی زبان میں لکھی گئی تھیں۔

(The four Gospel P.237-286)

مقدس "پاپیاس" بھی دوسری صدی کے اوائل میں کہتا ہے کہ مقدس متی نے خداوند کے کلمات کو عبرانی (آرامی) زبان میں لکھا۔ یہ کلمات (کہیں کہیں) مروجہ انجیل متی میں موجود ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ وہ آرامی زبان کے بہترین ادبی معیار پر پورے اترتے ہیں۔" (صفحہ ۲)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ اوّلاً متی حواری نے حضرت مسیح کی انجیل کو جب جمع کیا تو عبرانی کی شاخ آرامی میں جمع کیا۔ کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام پر اسی زبان میں وحی اُترتی تھی۔ اور اسی زبان میں آپ کی تعلیمات صادر ہوتی تھیں۔ آگے جا کر ہم ثابت کریں گے کہ متی حواری کی مرتب کردہ یہ انجیل ضائع ہو گئی۔ اس کی بجائے جو انجیلیں رائج ہوئیں وہ محض احادیث مسیح کا مرتبہ رکھتی تھیں۔ لیکن وہ بھی آرامی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ مگر مروجہ اناجیل سب کی سب یونانی زبان میں ہیں۔

تاریخ سے یہ امر روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کی مادری زبان آرامی تھی جو صدیوں سے ارض مقدس میں رائج تھی۔ جب بنی اسرائیل بابلی اور آشوری بادشاہوں کے حملوں کے باعث جلاوطن کر دیئے گئے تو وہ آرامی بولتے اپنے وطن سے نکلے۔ اور جب سائرس نے ان کے ایک حصّہ کو دوبارہ ارض مقدس میں آباد کیا تو وہ آرامی بولتے واپس لوٹے۔ (دیکھیں تفسیر بائیبل ص ۲۰) یہود کا جو حصّہ شمال مغربی ہندوستان میں آباد ہو گیا اس کی زبان بھی آرامی تھی۔ چنانچہ آرامی زبان اور اسی کے رسم خط میں ٹیکسلا سے ایک کتبہ بھی برآمد ہوا ہے۔

(A guida to Taxila P.77)

ہندوستان میں خروشتی رسم خط آرامی رسم خط کی ہی ایک شاخ ہے جو کم و بیش نو سال تک یہاں رائج رہا۔ انہی قرائن کی موجودگی میں کیمبرج ہسٹری آف انڈیا حصہ اوّل میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں کسی زمانہ میں آرامی زبان اور آرامی رسم خط رائج تھا (صفحہ ۶۲) (گو وہ یہ سادہ نتیجہ اخذ نہ کر سکے کہ آرامی زبان اور آرامی رسم خط کی ترویج کا باعث یہود کی ان علاقوں میں آمد ہے)

اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ آرامی زبان ہی اس قابل تھی کہ اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی وحی مقدس اور آپ کی تعلیمات کو جمع کیا جاتا۔ موجودہ یونانی اناجیل حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے سو سے لیکر دو سو سال بعد تک مرتب کی گئیں۔ ان میں بعض غلط عقائد داخل کر دیئے گئے۔ اور حضرت مسیح ناصری کی اصل تعلیم کو جگہ بجگہ بگاڑ دیا گیا۔ جب اصل انجیل ضائع ہو گئی تو کئی پشتیں گزرنے کے بعد اس خلا کو

پورا کرنے کے لئے ان تصانیف کو اناجیل کے نام سے پکارا جانے لگا۔

عبرانی انجیل کا اتلاف

آرامی انجیل کی موجودگی میں یونانی انجیل کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی؟ اس کی وجہ ۷۰ء عیسوی میں طیطس رومی کے حملہ کے باعث یہودی مسیحیوں کی پراگندگی تھی۔ جس میں آرامی اناجیل کنعان سے غائب ہوگئیں۔ اور غیر یہودی کلیساؤں کی اکثریت کے باعث آرامی متن کی چنداں ضرورت نہ سمجھی گئی۔ اور یونانی انجیلیں جو کہ بجائے خود ایک نئی تصنیف تھیں مروّج ہوگئیں۔ ڈاکٹر ایچ۔ یوسٹینٹن اپنی تفسیر متی میں لکھتے ہیں:۔

"فلسطین کے عبرانی بولنے والے مسیحیوں کے لئے جیسا کہ پاپیاس کی شہادت سے ثابت ہے مقدس متی نے ہمارے خداوند کے اقوال (اور بشارات۔ ناقل) کا ایک عبری مجموعہ معہ کسی قدر شرح کے ..... قلمبند کیا .....
یروشلم کی بربادی کے بعد جبکہ یہودی مسیحی بتدریج تباہ ہونے لگے تو مقدس متی کی تصنیف بھی تلف ہوگئی۔" (تفسیر متی اردو صـ۲۲)

اسی طرح پادری برکت اللہ ایم۔ اے اپنی کتاب "تاریخ کلیسیائے ہندوستان" حصہ دوم میں لکھتے ہیں:۔

"جوں جوں کلیسیا میں غیر یہود شامل ہوتے گئے یونانی لفظی ترجمہ زیادہ مقبول ہوتا گیا۔ یروشلم کے ختم ہونے کے بعد یہودی مسیحیوں کی پراگندگی کی وجہ سے ۷۰ء عیسوی کے قریب آرامی اناجیل کنعان سے غائب ہوگئیں اور غیر یہودی کلیساؤں کی اکثریت کے باعث ان آرامی اناجیل کی جگہ ان کا یونانی متن اناجیل ہر ملک میں نقل ہوکر مہذب دُنیا کے ہر گوشہ میں مروّج ہوگیا۔" (صـ۲۷)

متی کی عبرانی انجیل کنعان سے غائب ہوگئی لیکن اُس کے بچے کچھے حصے یا اس کے تتبع میں لکھی جانے والی عبرانی اناجیل دوسرے ممالک میں موجود تھیں جن سے ابتدائی عیسائی موحدین یہ ثابت کرتے تھے کہ عیسائیت بگڑ چکی ہے۔ الوہیت مسیح اور تثلیث کے باطل عقائد حضرت مسیح ناصریؑ کی تعلیمات سے ثابت نہیں۔ ناصری فرقہ اور ابیونائٹ فرقہ کے لوگ توحید اور بشریت مسیح کے ثبوت میں عبرانی انجیل پیش کرتے تھے۔ (دی اپاکرفل نیو ٹسٹامنٹ از ایم۔ آر۔ جیمس صـ۱ وصـ۱)

مسیحی کونسل کا باطل اقدام

اس حیص بیص میں زمانہ گذرتا گیا۔ بالآخر قسطنطین اعظم نے ۳۲۵ء عیسوی میں ۳۰۰ پادریوں کی ایک کونسل اصل انجیل اور مسیح کے صحیح عقائد کا فیصلہ کرنے کے لئے بُلائی۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ پادری اس قدر جاہل اور کم فہم تھے کہ انہوں نے تاریخی وعقلی دلائل وثبوت پیش کرنے کی بجائے کونسل میں جو اناجیل پیش کی گئی تھیں انہوں نے ان کو ایک بے ترتیب ڈھیر کی طرح گرجا کے اندر عشاء ربانی کی میز کے نیچے رکھ دیا اور خداوند سے درخواست کی کہ ان میں سے الہامی نوشتے پھلانگ کر میز پر آجائیں۔ اور جعلی نسخے میز کے نیچے پڑے رہیں چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آگیا۔

یہ وہ نامعقول طریق ہے جس سے سینکڑوں نسخے جعلی قرار پاکر چار اناجیل مستند قرار دی گئیں قسطنطین اعظم نے

اِن چاروں کے علاوہ باقی تمام اناجیل کو جلانے اور دُنیا سے نابود کر دینے کا حکم دیا۔ بلکہ یہاں تک ظالمانہ حکم دیا کہ جو شخص ایسی تحریر چھپا کر رکھیگا اور فوراً اُسے حاضر نہ کریگا یا اُسے جلا نہیں دے گا اُسے سزائے موت دی جائے گی۔ اس طرح سینکڑوں اناجیل اور حواریوں کے نوشتے نذرِ آتش کر دیئے گئے[۱]۔

ظاہر ہے کہ اِس مسیحی کونسل نے اناجیل کے یونانی نسخوں کو مستند قرار دے کر آرامی اناجیل اور دوسرے حواریوں کے نسخوں کو جن سے بگڑی ہوئی عیسائیت بے نقاب ہوتی تھی جلوا دیا اور اس طرح اِس دوسری تباہی میں عبرانی اناجیل کے بچے کھچے نسخے بھی ضائع ہو گئے۔

یونانی اور عبرانی اناجیل کا فرق اِس موقع پر بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ عبرانی اور یونانی انجیل کے متن میں سوائے زبان کے اختلاف کے اور کوئی فرق نہ تھا۔ لیکن محققین کے نزدیک یہ نظریہ باطل ہے۔

(۱) پرنسپل اے۔ جے گریگیس تفسیر بائبل میں انجیل متی کے مفسر ہیں وہ شروع تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مروّجہ انجیل متی کسی حواری کی تصنیف نہیں۔ نہ یہ متی کی اصل انجیل کا ترجمہ ہے جو متی حواری نے عبرانی یا آرامی زبان میں مرتب کی ہاں متی کی عبرانی انجیل کا مواد ضرور اس میں ایک حد تک آگیا ہے۔

(۲) ایم۔ آر جیمس اپنی کتاب اپاکرفل نیوٹسٹامنٹ میں عبرانی اور یونانی اناجیل کے فرق و اختلاف پر مفصل روشنی ڈالتے ہیں اور قدیم مصنّفین کے حوالہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ عبرانیوں کی انجیل کی ۲۲۰۰ لائنیں تھیں جبکہ موجودہ متی کی یونانی انجیل اڑھائی ہزار لائنوں پر پھیلی ہوئی ہے (دی اپاکرفل نیوٹسٹامنٹ صلا)

قرآن مجید میں انجیل کے اقتباس

انجیل کے معنے بشارت کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی انجیل ان بشارات پر مشتمل تھی جو سیدالانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعودؑ کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ انجیل میں نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت موجود ہے۔ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔ اور انجیل میں احمد رسول کے آنے کی بشارت بھی پائی جاتی ہے۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ اور یہ تمثیل بھی پائی جاتی ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ کے وقت الٰہی سلسلہ کی ترقی یوں ہوگی۔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ ۔۔۔۔ الخ

اِس میں شک نہیں کہ موجودہ اناجیل میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی پیشگوئیاں، تمثیلات اور تعلیمات کا ایک حصہ موجود ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر

---

[۱] حوالہ جات کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(ا) دیباچہ The Apocryphal New Testament P.14

(ب) موشیم چرچ ہسٹری باب ۲ فصل ۵ صفحہ ۱۲۶۔ بحوالہ میثاق النبیین حصہ دوم صفحہ ۱۲۵

نازل ہونے والی انجیل کہاں گئی؟ کیا وہ کسی وقت دُنیا میں موجود تھی؟ کیونکہ موجودہ اناجیل میں گو اصل انجیل کا کچھ حصہ آگیا ہے لیکن ہم ان کو اصل انجیل کا درجہ کسی صورت میں نہیں دے سکتے۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی انجیل کسی زمانہ میں موجود تھی بعد میں ضائع ہوگئی۔ اس دعویٰ کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لئے تاریخی شواہد درج ذیل ہیں۔

کوہ زیتون پر انجیل کا نزول

قرآن مجید کی سورۃ "التین" میں البلد الامین اور طور سینین کی شہادت سے پہلے "زیتون" کی گواہی پیش کی گئی ہے۔ جس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور انجیل کا نزول ہے۔ انجیل برنباس گو نہایت مسخ شدہ صورت میں پائی جاتی ہے لیکن اس میں بھی اصل انجیل کا مواد بھی کافی حد تک آگیا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا حواری برنباس لکھتا ہے کہ آپ پر پہلی وحی جو کہ انجیل کا حصہ تھی۔ کوہ زیتون پر نازل ہوئی۔ اصل عبارت درج ذیل ہے:۔

(الف) "جس وقت یسوع تیس سال کی عمر کو پہنچا جیساکہ خود اُس نے مجھے اِس بات کی خبر دی کہ وہ ایک دفعہ زیتون کے پہاڑ پر اپنی ماں کے ساتھ زیتون چُننے کے لئے چڑھا۔ اس اثناء میں وہ دوپہر کے وقت نماز پڑھ رہا تھا جونہی ان کلمات پر پہنچا کہ "اے خدا اپنی رحمت سے ....." ناگہاں ایک نمایاں نور نے اسے گھیر لیا اور بے شمار فرشتوں کا گروہ یہ کہتا ہوا نظر آیا کہ "خدا کی بزرگی بیان کرنا چاہیئے" پھر فرشتہ جبریل نے ایک نوشتہ پیش کیا جو کہ چمکدار اور شفاف آئینہ کی طرح تھا۔ اور یسوع کے دل میں وہ بات اُتار دی۔ جس کے ذریعہ اُس نے جان لیا کہ خدا نے کیا کیا ہے اور کیا کہا ہے۔ اور کیا ارادہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر ایک چیز اس کے لئے بے پردہ اور کھلی ہوئی تھی۔ بے شک یسوع نے مجھے کہا کہ اے برنباس تو اِس بات کو سچ مان لے کہ میں ہر ایک نبی اور ہر نبوت کو پہچانتا ہوں۔ اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ کہ وہ بات اسی کتاب سے آئی ہے۔

جس وقت یہ خواب یسوع پر جلوہ نما ہوا تو اُس نے معلوم کر لیا کہ وہ ایک نبی ہے جو اسرائیل کے گھرانے کی طرف بھیجا گیا ہے۔"

(انجیل برنباس فصل دہم)

(ب) اسی انجیل برنباس میں آگے جاکر فصل ۱۶۸ میں مندرجہ ذیل عبارت قابلِ توجہ ہے۔ اس وقت شاگردوں نے کہا۔

"حق یہ ہے کہ اللہ نے تیری زبان پر کلام کیا ہے۔ اسلئے کہ کبھی کسی انسان نے ایسا کلام نہیں کیا جیسا کہ تو کرتا ہے۔ یسوع نے جواب دیا۔ تم مجھے سچا جانو کہ بے شک جب اللہ نے مجھے چُنا تاکہ مجھے اسرائیل کے گھرانے کی طرف بھیجے تو مجھے ایک کتاب عطا کی جو صاف بے داغ آئینہ کے مشابہ ہے۔ جو کہ میرے دل میں اُتر آئی ہے۔ یہاں تک کہ یہ تمام باتیں جو میں کہتا ہوں

سب اسی کتاب میں سے نکل رہی ہیں۔ اور جس وقت میرے منہ سے اس کتاب کا صادر ہونا ختم ہو گیا تو میں دنیا سے اٹھ جاؤں گا۔ پطرس نے جواب میں کہا۔ اے معلم! کیا آپ اس وقت جو باتیں کر رہے ہیں یہ اس کتاب میں لکھی ہیں؟ یسوع نے جواب دیا۔ میں جو کچھ اللہ کی معرفت کے بارہ میں، اللہ کی خدمت کے باب میں اور انسان کی معرفت کے لئے اور نوع انسان کی خلاصی اور نجات کے واسطے بیان کرتا ہوں وہ سب اسی کتاب سے صادر ہوتا ہے جو کہ میری انجیل ہے۔"

انجیل برنباس کے ان اقتباسات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ انجیل کسی کتاب کی شکل میں آسمان سے لکھی لکھائی نازل نہ ہوئی تھی بلکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے سینہ میں اس کتاب کے نقش بصورت معانی بٹھا دیئے گئے تھے۔ اور ہر اُترنے والی وحی اس انجیل کا حصہ تھی۔ جو کہ آپؑ بیان کر دیتے تھے۔

انجیل کی تکمیل کے دو دَور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام پر نازل ہونے والی انجیل آپؑ کی فلسطینی زندگی میں ضبطِ تحریر میں نہیں لائی گئی۔ کیونکہ یہ دَور صرف تین سال پر مشتمل تھا۔ اور حالت یہ تھی کہ آپؑ کے لئے سر چھپانے کی بھی جگہ میسر نہ تھی۔ اس کے بعد تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے اور ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کی بشارات اور تعلیمات کو متی حواری نے جمع کیا لیکن یہ انجیل ضائع ہو گئی اور اس کی جگہ مختلف تحریرات نے انجیل کا درجہ حاصل کر لیا۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام کے دوسرے دَورِ زندگی میں جو کہ کشمیر سے تعلق رکھتا ہے ایسے قرائن ہمیں ملتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عبرانی انجیل پائی جاتی تھی۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام جس کتاب کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے اس کا نام "بشرہ" یا "بشودہ" ہندوستانی لٹریچر میں وارد ہوا ہے۔ فلسطینی زندگی میں آپؑ پر انجیل کا نزول شروع ہو گیا تھا لیکن اس کے بعد چونکہ آپؑ نے قریباً نوّے سال اپنی عمر کے ہندوستان میں گزارے اسلئے انجیل کی تکمیل ہندوستان میں ہو سکتی تھی نہ کہ فلسطین میں۔

ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ انجیل حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارات اور تعلیمات کا نام تھا۔ اور جیسا کہ برنباس کی شہادت سے ظاہر ہے یہ وحی آپؑ پر جب تک آپؑ دنیا میں رہے اُترتی رہی۔ تاریخی تصریحات سے ثابت ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام پر اُترنے والی وحی دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ فلسطینی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اور ایک حصہ مشرقی ممالک سے تعلق رکھنے والے دَورِ زندگی سے۔ فلسطینی زندگی کی وحی اور تعلیمات کو متی حواری نے جمع کیا اور دوسرے دَورِ حیات کی وحی ہندوستان میں جمع کی گئی۔ (باقی دارد)

الفرقان کیلئے
نئے خریدار پیدا کرنا آپ کا فرض ہے
مینیجر

فضائے آسمانی دیکھنے کا نیا انسانی جھروکہ

(ترجمہ مضمون مارسیس گولڈسمتھ - از یو - این - ای - ایس - سی - او -)

[قرآن مجید نے کائنات عالم پر غور و فکر کرنے کی پُر زور تاکید فرمائی ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے مصداق لوگوں کو ہی اُس نے عقلمند قرار دیا ہے۔ ذیل کا مضمون ایک نئی ایجاد اور اس کے ذریعہ حیرت انگیز ترقی کے ذکر پر مشتمل ہے۔ یہ مضمون لاہور کے انگریزی روزنامہ Pakistan Times مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا ہے ——— (ایڈیٹر)]

دُنیا میں سب سے بڑی ریڈیائی دُوربین عنقریب انگلستان میں تیار ہونے والی ہے۔ اسی موسم سرما میں اس کی تیاری کا کام شروع ہو کر ۱۹۵۶ء میں امید کی جاتی ہے تکمیل تک پہنچ جائے گا۔ یہ ایک ایسا آلہ ہے جسکے ذریعہ سے ہم اپنے اردگرد کی فضائے آسمانی کی چیخ و پکار سے لیکر چوں چوں تک سننے کے قابل ہو جائیں گے۔ عام دُوربینوں سے یہ بالکل جُداگانہ چیز ہوگی۔ عام دُوربینوں کا تعلق شعاع اور روشنی سے ہوتا ہے مگر اس کا تعلق آواز سے ہوگا جو کُرۂ ہوائی میں سیاروں اور ستاروں کی وجہ سے پیدا ہوتی رہتی ہے۔

تین سو سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ اسی دُوربین کی بدولت گیلی لیو خوشی کے مارے پکار اُٹھا تھا کہ کیا ہی عجیب نظارہ ہے کہ اس دُوربین کی بدولت انسان اس قابل ہو گیا ہے کہ چاند کی خوبصورت سطح کو جو زمین سے زمین کے ساڑھے نصف قطر کے فاصلے پر ہے صرف دو نصف قطر کے فاصلے کے برابر بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ گیلی لیو کے زمانے سے لیکر آج تک اصول اور بنیاد تو وہی رہی ہے اگرچہ طاقت کے لحاظ سے وہ بہت زیادہ ترقی کر چکی ہے۔

ظاہری آنکھ کے ساتھ انسان پانچ چھ ہزار ستارے تک دیکھ سکتا ہے۔ مگر چھوٹی سی دُوربین کی مدد سے ایک لاکھ تک ستارے دیکھے جا سکتے ہیں۔ مگر ۴۰ انچ قطر والی دُوربین کے ذریعہ دس کروڑ ستارے تک مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔ اور ایک صد انچ قطر والی دُوربین کے ذریعہ ۵۰ کروڑ تک اجرام فلکی دیکھے جا سکتے ہیں۔

قریباً تیس سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ کہکشاں کے متعلق پتہ چلا تھا کہ ستاروں کا یہ نظام یا دائرہ اس سے کہیں وسیع تر ہے جس کا کہ ہم خیال کئے ہوتے تھے۔ اور یہ بھی صحیح طور پر اندازہ لگایا گیا تھا کہ کہکشاں کے عبور کرنے کے لئے قریباً ایک لاکھ شعاعی سال درکار ہوں گے۔ (یاد رہے کہ سورج کی شعاع ایک ثانیہ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل طے کر جاتی ہے۔ پس ایک سال میں جو عرصہ شعاعی رفتار سے طے ہو سکتا ہے اس کا فاصلہ ایک سال میں

۶۰×۶۰×۲۴×۳۶۵   ۱۸۶۰۰۰ میل ہے۔ ایک لاکھ شعاعی سال کا فاصلہ ۱،۰۰،۰۰۰×۱،۸۶،۰۰۰×۶۰×۶۰×۲۴×۳۶۵ سال ہوتا ہے۔ لیکن اب جو سب سے زیادہ طاقتور دوربین ۲۰۰ انچ قطر والی پیلومر (Palomer) پہاڑ پر امریکہ میں نصب کی گئی ہے اس کی مدد سے ایسے ایسے ستاروں کا بھی پتہ چلا ہے کہ جن کو روشنی ملے ہوئے لاکھوں کروڑوں شعاعی سال ہو چکے ہیں۔ مگر ابھی تک ان کی شعاع ہماری اس سطح زمین تک نہیں پہنچ سکی۔ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ کہ ہمارے نظام شمسی سے اقرب ترین جو دوسرا نظام ہے اور جس کا نام اہلِ نجوم Andromeda رکھتے ہیں یہ نظام بلحاظ جسامت و تعداد اجرام فلکی اور بلحاظ ترکیب و ترتیب نظام شمسی کے بالکل عین مشابہ ہے۔

جب ہم اس نظام Andromeda کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو پھر ہماری نگاہ مکان و زمان کی وسعت میں پیچھے کی سمت میں آٹھ لاکھ شعاعی سال لے جاتی ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں جو چیز ہمیں اب نظر آ رہی ہے وہ آج سے آٹھ لاکھ شعاعی سال پہلے ہو چکی ہے جبوقت اس سطح پر انسانی زندگی کے کوئی آثار تک نہ تھے۔

گذشتہ بیس سالوں نے ہمارے لئے ان اجرام کے جھیکنے کے لئے ایک نئی کھڑکی کھول دی ہے اور سائنس اب اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ ہم .... اپنے زمینی ماحول سے بہت پرے کے وسیع فضائی اجرامِ فلکی کے ماحول کی ریڈیائی لہروں کو نئے آلات کی مدد سے اخذ کر سکتے ہیں۔ گویہ ایک تازہ انکشاف ہے تاہم سر اولیور لاج (Sir Oliver Lodge) کو پچاس سال کا عرصہ گذرتا ہے اس کا احساس پیدا ہو گیا تھا کہ کوئی ایسا واقعی امر اس دورِ فلکی میں ہو رہا ہے۔

کچھ عرصہ گذرتا ہے کہ جینسکی (Jansky) اس امر کا پتہ لگا رہا تھا کہ چھوٹی لہر والے ریڈیو میں کونسی چیز باہر سے دخل انداز ہوتی ہے۔ اس کو پتہ چلا کہ سورج کی طرف سے ایک باقاعدہ سنسناہٹ پیدا ہو رہی ہے۔ بعد ازاں پتہ چلا کہ اس کا موجب سورج نہیں بلکہ کہکشاں ہے یا انجمنِ نجوم ہے جینسکی نے سمجھا کہ یہ تصرف یا تو اجرامِ فلکی کی وجہ سے ہے جو اس کہکشاں میں واقع ہوئے ہیں یا اس مادہ کی وجہ سے جو اس تمام مجموعہ کہکشاں میں جاری وساری ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جینسکی اپنے اس آلہ کے ذریعہ سے انعکاسی شعاع کو پکڑ چکا تھا جو کسی تیز تر چمکیلے ذاتی شعاع والے کرۂ فلکی سے نکل رہی تھی۔ اور یہ شعاع بیس یا تیس میٹر لمبی لہر والی شعاع تھی۔ اس وقت بھی لوگوں نے جینسکی کے ان انکشافات کی طرف توجہ نہ دی۔

۱۹۴۰ء میں گروٹ ریبر (Grote Reber) نے ایک آلہ کے ذریعہ سے خاص اس طرف توجہ دی۔ گروٹ ریبر ایک امریکن نجومی تھا۔ نجوم اس کا پیشہ نہ تھا بلکہ محض اپنے شوق کے طور پر اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گیا۔ اُس نے چاہا کہ کسی طرح پتہ لگے کہ یہ صدائے نجوم جو کرۂ ہوائی میں پیدا ہوتی ہے اس کا اصل منبع کیا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے اہلِ سائنس نے تین اصطلاحیں قائم کی ہیں۔ ایک Cosmic noise۔ دوسری Galactic noise۔ تیسری Solat noise یا صدائے شمسی۔ صدائے شمسی وہ شور ہے جو سورج سے نکلتا ہے۔ اور

Galactic noise وہ شور ہے جو ہمارے نظام شمسی سے نکلتا ہے۔ اِن ہر دو صداؤں کے برخلاف Cosmic noise یا ورا الوری صدا وہ ہے جو اِن ہر دو سے ورام ہے۔ انگلستان اور آسٹریلیا کے سائنسدان خاص طور پر اِس تحقیق میں لگ گئے اور انہوں نے ریڈیو اور ریڈر کی تازہ ترین ایجاد سے جو گذشتہ جنگ کے ایام میں حاصل ہوئی تھی پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ ان کی تمام تحقیق و تفتیش نے جینسکی کے خیالات کی پُورے طور پر تصدیق کر دی اور اِس طرح سے ریڈیائی علم نجوم مستحکم بُنیاد پر قائم ہوگیا۔ ۱۹۴۸ء تک انگلستان اور آسٹریلیا میں ایک ہی وقت نئی ریڈیائی دُوربین معرضِ وجود میں آگئی۔ بولٹن (Bolton) اور سٹینلی (Stanley) نے سڈنی (Sydney) (آسٹریلیا) میں اور رائل (Royel) اور سمتھ نے کیمبرج (انگلستان) میں یہ ایجادیں کیں۔ ان کی تیار کردہ دُوربین نے پہلی تمام دُوربینوں کی غلط بینی کی اصلاح کر دی۔

ایک ہی سال میں اِن محققین نے اِن ریڈیائی دُوربینوں کی امداد سے اعلان کیا کہ ان کو بہت سے نئے حقائق کا علم ہوگیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بعض ریڈیو ستارے ہیں جن سے خاص قسم کے پُر زور ریڈیائی انعکاسات نکلتے رہتے ہیں۔ گو ابھی تک وہ معین طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ کون کونسے ستارے ہیں۔

جیسے جیسے یہ نیا آلہ باریک سے باریک تر لہروں کے اخذ کے قابل ہوتا جاتا ہے نئے نئے ریڈیو ستاروں کے وجود مشاہدے میں آرہے ہیں۔ اب تک ایک صد کے قریب کا اندازہ ہوچکا ہے لیکن یہ ہماری کہکشاں میں سے سب سے اقرب ترین یا روشن ترین ہیں۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ جس قدر ستارے کہکشاں میں نظر آتے ہیں اتنی ہی تعداد کم از کم اِن ریڈیائی ستاروں کی ہے اور موجودہ تحقیقات کی رُو سے ان کی تعداد کم از کم دس ہزار کروڑ کے لگ بھگ ہے۔

دو سال کا عرصہ گزرتا ہے کہ لوٹ (Lovell) نے انگلستان میں اسی قسم کی دُوربین استعمال کرتے ہوئے Andromeda کے نظام میں سے ان ریڈیائی لہروں کو نکلتے ہوئے پایا۔ جس سے اُس نے نتیجہ نکالا کہ جس طرح ہماری کہکشاں میں اس قسم کے ریڈیائی عناصر والے ستارے پائے جاتے ہیں ویسے ہی اس دوسرے نظام میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور تعداد کے لحاظ سے بھی دونوں قریباً قریباً مساوی ہیں۔ اِس طرح اِس قسم کی تحقیق و تدقیق دوسری جگہوں میں بھی ہمیں اس طرف لے جاتی ہے کہ اِس قسم کی ریڈیائی لہریں ان کے علاوہ اور دیگر نظاموں سے بھی آرہی ہیں۔

اِس ریڈیائی علم النجوم سے ہمیں نئی معلومات اپنے سورج اور شہاب ثاقب کے متعلق مل رہی ہیں۔ سورج کے ماحول سے جو ریڈیائی لہریں نکلتی ہیں اُن کے مطالعہ سے ہمیں سورج کے ماحول کے متعلق کافی نئی معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔ جن دنوں سورج کے بعض مقامات اچانک روشن تر ہو جاتے ہیں اُن دنوں خاص طور پر زوردار لہریں ہماری زمین کی طرف بھی رُخ کرتی ہیں۔ یہ اچانک بھڑک جو سُورج کے بعض حصّوں پر نمودار ہو جاتی ہے اُس وقت ایک خاص قسم کی زوردار برقی لہریں جاری ہو جاتی ہیں۔ انہی

ایام میں ریڈیائی قوت سے معمور ذرات چھوٹتے ہیں جن کو زمین تک پہنچتے پہنچتے ۲۴ گھنٹے کا عرصہ لگ جاتا ہے اور اسی سبب سے غیر معمولی تغیرات کرۂ ہوائی اور کرۂ شمسی میں پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ انہی کا ایک کرشمہ ہے کہ دُور دراز ریڈیائی پیغام بالکل مدھم پڑ جاتے ہیں یا بالکل ہی اُڑ جاتے ہیں۔ نیز قطب شمالی اور قطب جنوبی میں جو خاص قسم کی روشنی ایک لمبے عرصہ کے لئے نمودار ہوتی ہے اس کا باعث بھی یہی ریڈیائی لہریں ہیں۔

ریڈیو علم النجوم کے ذریعہ ہم قطبین کی روشنی کا تجزیہ بھی کر سکتے ہیں۔ مثلاً ریڈیائی قوت کی دھڑک ریڈیائی دُوربین میں سے گزار کر اس کا انعکاس قطبی روشنی میں بڑی وضاحت سے دیکھا اور مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ہر موسم میں خواہ روشنی کا وقت ہو یا ابر آلود ہو اسی طرح ریڈیائی گونج یا ریڈیو کی دھڑکن کا استعمال شہابِ ثاقب کے ساتھ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اور تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ دن کے وقت افلاک کا اثر و تاثر دیکھا جا سکا ہے۔ اور پہلے ایام میں تو شہابِ ثاقب کا وقوع اندھیرے میں مشاہدہ کیا جا سکتا تھا مگر اب اس آلۂ برقی کے ذریعہ دن کی روشنی میں ان کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اب انہی آلات کے ذریعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ یہ تمام شہابِ ثاقب نظامِ شمسی کے اندر پیدا ہوتے ہیں نہ کہ اس کے باہر کی ستاروں کی دُنیا میں۔ اِس ریڈیائی بازگشت یا گونج کی وساطت سے چاند کی سطح کی پوری ماہیت کا پتہ لگایا گیا ہے۔

یہ نئی ریڈیائی دُوربین مانچسٹر یونیورسٹی کے لئے بنائی جانے والی ہے۔ اس کے نگران ڈاکٹر اے۔ سی۔ بی۔ لوول (Lovell) ہوں گے۔ یہ دُوربین ہر رُخ پر متحرک ہونے والی ہوگی۔ جس کو جب چاہا اور جس رُخ چاہا لگا دیا اور آسمان کے جس گوشہ کو چاہا اس کے ذریعہ مشاہدہ کر لیا نہ صرف یہی بلکہ جس ستارے کو چاہا اُس کی ہر حرکت کے مطابق اس کو کھڑا کر دیا تاکہ اس کا راستہ پُورا مشاہدہ کیا جا سکے۔

اُمید کی جاتی ہے کہ اِس ریڈیائی دُوربین سے اب ریڈیو علم النجوم وہی کام لے گا جو کسی زمانے میں نئی دُوربین سے لیا گیا تھا۔ اس کے ذریعہ سے ہم تمام دُنیا کی ہیئتِ کذائی اور ماہیت کا خاص کر اپنی زمین کا پُورا پُورا پتہ لے سکیں گے۔"

الفرقان: موجودہ سائنس اور جنگ نے مل کر جو دوزخ پیدا کیا ہے یہ بھی اِس امر کا ثبوت ہے کہ کلامِ خدا برحق ہے۔ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْد۔ آج تیری آنکھ بہت تیز ہو گئی ہے۔ اور یہ اس تیزی بصارت کا نتیجہ ہے کہ ہم قرآن کریم کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر کہہ سکتے ہیں وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ +

درحقیقت زمانہ اپنے علوم اور اپنی نئی ایجادات کے ساتھ قرآن مجید کے حقائق کی تائید کر رہا ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ قرآنی صدا قتوں کے اثبات کے لئے زمین و آسمان میں انقلاب پیدا ہو رہا ہے اور یہ اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالےٰ اِس زمانہ میں قرآنی علوم کو پھیلانا چاہتا ہے تا وہ دن جلد آئے کہ قرآنی شریعت کا پرچم ساری دُنیا میں لہرا رہا ہو+

ہمارے عزائم!

"الفرقان" کے ذریعہ

(۲)

(مکرم راجہ نذیر احمد صاحب ظفر متعلم جامعہ احمدیہ)

اسیرِ زلفِ باطل کو دکھا کر حُسنِ قرآنی
عدوِّ حق کو ہم حق کا نگہباں کر کے چھوڑینگے

غلامی سے بُتوں کی ہم چھڑا کر نوعِ انساں کو
گئے گزرے ہوئے انساں کو انساں کر کے چھوڑینگے

خدائے واحد و یکتا جو ہے تعریف کے لائق
اسی کا نوعِ انساں کو ثنا خواں کر کے چھوڑینگے

سکھانے دو اسے ہم کو ذرا یہ نطقِ قرآنی
ہم اس گونگے مسلماں کو سخنداں کر کے چھوڑینگے

فراواں یوں کرینگے ہم حرارت رُوحِ ایماں کی
کہ نفسِ ہر مسلماں کو مسلماں کر کے چھوڑینگے

اگرچہ مثلِ شبنم آج گریاں ہیں زمانے میں
مگر ہم غنچہ ہائے حق کو خنداں کر کے چھوڑینگے

سرِ تسلیم خم ہے جس کا اس قرآن کے آگے!
زمانے بھر سے اونچا ہم وہ ایواں کر کے چھوڑینگے

علاجِ دردِ دُنیا کے سبھی نسخے ہیں قرآں میں
ہر اک مشکل زمانے کی ہم آساں کر کے چھوڑینگے

وہ ہستی جس کے نالے عرش سے قرآن کو لائے
زمانے پر عیاں ہم اس کے احساں کر کے چھوڑینگے

وہ شاہِ دو جہاںؐ جو خود رہا تاجوں سے مستغنی
ہم اُس کی خاکِ پا کو تاجِ شاہاں کرکے چھوڑیں گے
ظفرؔ اک طائرِ قدسی ہے اس کو چہچہانے دو!
تو ہم اس کی عالم میں نمایاں کرکے چھوڑیں گے

ایک سوال کا جواب مکرم محمد خان صاحب پٹھان لکھتے ہیں :" قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں انسان سے تین طرز سے کلام کرتا ہوں۔ بذریعہ رسول یعنی جبرئیل، یا اشارۃً یا حجاب میں۔ قرآن کریم کی وحی کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور وحی بھی نازل ہوتی ہے جو ہزاروں پیشگوئیاں احادیث میں موجود ہیں کیا یہ وحی بھی قرآن کریم کی طرح فرض او رجزوِ ایمان ہے ؟"

الجواب :۔ اللہ تعالیٰ کا جو کلام بھی نبی پر نازل ہوتا ہے اور جسے نبی اللہ کے کلام کے طور پر پیش کرتا ہے اُس پر ایمان لانا فرض ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے معنے ہی یہی ہیں کہ ہم اس کے کلام پر یقین رکھتے اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ایک رسمی اور لفظی بات رہ جاتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ" کہ رسول خود بھی اس کلام الٰہی پر ایمان لاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر نازل ہوتا ہے اور مومن بھی اس کلام پر ایمان لاتے ہیں۔ پس نبی پر نازل شدہ کلام الٰہی بہرحال مُؤْمَنٌ بِهٖ ہے۔

جو پیشگوئیاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائیں اور انہیں خدا کا کلام قرار دیا ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت میں اپنی زبانِ مبارک سے انہیں بیان فرمایا اس وقت ان کی صحت میں شک اور شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ کتب احادیث میں درمیانی راویوں کی وجہ سے نیز دوسری وضعی احادیث کی وجہ سے بعد میں شبہات پیدا ہوئے آج بھی حدیث کی جو پیشگوئی پوری ہو کر اپنے منجانب اللہ ہونے پر مہر کر دے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ سوال صرف یہ ہوگا کہ آیا وہ کلام خداوندی ہے اور آیا رسول نے اُسے کلامِ خداوندی کے طور پر پیش کیا ہے ؟ اگر ایسا ہے تو اس کلام اللہ پر ایمان لانا واجب ہے۔

کیا آپ **الفرقان** کے خریدار ہیں ؟ اگر نہیں تو آج ہی مبلغ پانچ روپے پیشگی سالانہ چندہ بھیجکر خریدار بنئے۔ اور اگر آپ خریدار ہیں اور آپ کے ذمہ بقایا ہے تو جلد روانہ کیجئے! (مینجر)

قرآن مجید اور قوم عادؔ[1]

نئے اکتشافات صداقتِ قرآن مجید پر گواہ ہیں!

(از امین اللہ خان صاحب سالک)

قرآن مجید نے عرب کی ایک قوم "عاد ارم" کا ذکر مختلف مواقع پر کیا ہے۔ اس کے مختصر حالات درج ذیل ہیں۔

اس قوم کی بنیاد "عاد" نامی شخص سے پڑی۔ "عاد" کا نسب نامہ حضرت نوح علیہ السلام سے اس طرح ملتا ہے۔

"عاد بن عوض بن ارام (ارم) بن سام"

(معارف ابن قتیبہ ص۱۰ مطبوعہ مصر)

اس نسب نامے اور قرآن کریم کی آیت وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (اعراف) کہ اے قوم عاد! یاد کرو کہ جب خدا تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کی تباہی کے بعد خلافت (حکومت) عطا کی" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کی ابتداء دو تین ہزار سال قبل مسیح ہوئی۔

عاد کے مقام کا پتہ قرآن مجید کی اس آیت سے لگتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ (احقاف)

یعنی عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو جب اُس نے احقاب میں اپنی قوم کو ڈرایا

"احقاف" صحرائے ریگستان کو کہتے ہیں۔ یہ صحرا جنوبی اور شمالی عرب میں دونوں طرف واقع ہے۔ اِس آیت سے بالکل تخصیص تو نہیں ہوتی لیکن اور روایتوں کو مدنظر رکھکر معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کا مقام یمن و حضرموت (جنوبی صحرا) تھا۔ معارف ابن قتیبہ میں ص۱۰ پر لکھا ہے کہ عاد کی مرکزی آبادی عرب کے بہترین حصہ یعنی یمن و حضرموت میں سواحل خلیج فارس سے حدود عراق تک تھی۔

یہ قوم بڑی خوشحال تھی۔ اِسی کے متعلق قرآن کریم میں آیا ہے۔

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (شعراء)

کہ خدا تعالیٰ نے تمہاری مواشی، اولاد، باغوں اور چشموں سے مدد کی۔

اِس قوم کو عظمت و جلالت اور سیاسی تفوق حاصل تھا۔

---

[1] اِس مضمون میں کتاب "ارض القرآن" سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اوران کا دعویٰ تھا کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حٰم السجدۃ) کہ "آج ہم سے بڑھ کر طاقتور کون ہے"۔ قوم عاد نے بڑی بڑی عمارتیں بنائی تھیں۔ اسی لئے قرآن مجید نے اس قوم کو "ذَاتُ الْعِمَادِ" (ستونوں والے) کا خطاب دیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ
ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا
فِي الْبِلَادِ ۝ (الفجر)

"کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے اس عاد اِرم کے ساتھ کیا کیا جو بڑی بڑی عمارتوں کے بانی تھے جن کی نظیر دُنیا میں نہیں پیدا کی گئی"۔

جب اِس قوم کو شان و شوکت ملی تو انہوں نے غرور کیا اور دوسری قوموں پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا
قُوَّةً (حٰم السجدۃ)

یعنی "قوم عاد نے زمین میں بلا استحقاق غرور کیا اور کہا کہ کون ہم سے قوّت و طاقت میں بڑھا ہے؟

پھر ان کے اخلاق پست ہو گئے اور ان میں طرح طرح کے عیوب پھیل گئے۔ سو خدا تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت ہُود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور اُنہوں نے اپنی قوم کو کہا۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (اعراف)

کہ اے میری قوم! خدا تعالیٰ کی ہی عبادت کرو اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ کیا تم تقویٰ سے کام نہیں لیتے؟"

لیکن انہوں نے کہا۔ يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ (ہود) کہ اے ہُود تم ہمارے پاس کوئی حُجّت نہیں لائے۔ صرف تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے دیوتاؤں کو چھوڑنے کے نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانیوالے ہیں۔ اور كَذَّبَتْ عَادُ نِالْمُرْسَلِيْنَ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ (شعراء) "عاد نے پیغمبروں کو جھوٹا کہا۔ جب اُن سے اُن کے بھائی ہُود نے کہا تم پرہیزگار بنو میں تمہاری طرف پیغمبر امین ہوں"۔

پھر ان کا وہی انجام ہوا جو اس طرح کی ناشکری کرنے والوں اور مکذّب قوموں کا ہوا کرتا ہے یعنی فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَّمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (شعراء)

ترجمہ:۔ سو انہوں نے حضرت ہُودؑ کی تکذیب کی اور ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا۔ ان کی اِس تباہی میں سامانِ بصیرت ہے اور اُن میں سے اکثر مومن نہ تھے"۔

لیکن حضرت ہُودؑ پر جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کو بچایا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ
نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ (ہود)

"اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے ہُودؑ کو اور جو لوگ

اس کے ساتھ ایمان لائے تھے انکو اپنی رحمت سے نجات دی اور وہاں ہم نے اُن کو بڑے عذاب سے نجات دی۔"

جو لوگ اپنے کفر اور شرارتوں کے باعث ہلاک ہوگئے اُن کو عاد اولیٰ کہتے ہیں۔ آیت کریمہ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَ ۨالْاُوْلٰى (نجم) ہمیں یہی بتاتی ہے۔

اور جو لوگ حضرت ہودؑ پر ایمان لا کر بچ گئے انہیں عاد ثانیہ کہتے ہیں۔ یہی بچ رہنے والے لوگ حضرت ہودؑ کے ساتھ حجاز کی طرف چلے گئے تھے۔

یہ تو عاد قوم کے مختصر حالات ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید نے جو حالات اس قوم کے بتائے ہیں کیا اُن کی صحت پر خارجی دلائل اور شواہد بھی موجود ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ:۔

اوّل:۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہیں (عاد کو) قوم نوحؑ کے بعد حکومت عطا کی۔ وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (اعراف) اس کی تائید میں معارف ابن قتیبہ صفہ کے نسب نامے "عاد بن عوص بن ارام بن سام" اور مندرجہ ذیل حوالے سے بھی ہوتی ہے۔

فرانس کا مشہور اسلامی مؤرخ میوسیدلو (Sedlles) اپنی تاریخ عرب میں امم بائدہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"قبائل بائدہ کے حالات قابل وثوق نہیں زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے بلکہ مفروض ہوسکتا ہے کہ عاد مسیح سے ...۲۰۰۰ برس پہلے مصر و بابل پر قابض تھے اور ان کا نام اس زمانہ میں ہیکسوس یا ہیک سوس (چرواہے بادشاہ یعنی بدوی بادشاہ) تھا۔"

اس حوالے کا "مفروض ہوسکتا ہے" یقین سے بدل جاتا ہے جب ہمارے سامنے دوسری روایات (ابن قتیبہ وغیرہ کی) بھی سامنے آجاتی ہیں۔

دوم:۔ قرآن مجید نے ان کا مقام "احقاف" (صحرائے ریگستان) بتایا ہے۔ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ (احقاف)

جارج رالنسن (G. Ralinson) جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں تاریخ قدیم کا پروفیسر تھا اپنی تصنیف "تاریخ مصر قدیم" جلد ا صفہ پر مصر کے حملہ آوروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"یہ حملہ آور ہائیک سوس یا چرواہے بادشاہ تھے جو شام یا عرب کے صحرا نورد اور بدوی لوگ تھے۔"

پھر کتاب المعارف ابن قتیبہ مصری کے صفہ پر تحریر ہے:۔

"واما سام بن نوح فسکن وسط الارض الحرم وما حوله والیمن الی حضرموت الی عمان الی البحرین ویبرین ووبار والدو والدهناء۔"

"سام بن نوح درمیانی زمین یعنی مکہ اور اطراف مکہ مثلاً یمن، حضرموت، عمان، بحرین، یبرین، وبار، دو اور دہنا تک آباد ہوا۔"

قوم عاد سام سے ہی ہے اور یمن، حضرموت وغیرہ احقاف

ہیں ہی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عاد کا مسکن "احقاف"
ہی تھا۔

سوم:۔ یہ قوم بابل، مصر وغیرہ پر بھی قابض
رہی۔ اور اس نے مصر اور بابل کے لوگوں پر بھی ظلم و ستم
کئے۔ خدا تعالے نے ان کے ظلم و ستم کا اس آیت میں ذکر
فرمایا ہے۔ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حٰم السجدہ)
عاد کے اس جور و ظلم کا ثبوت مصر کی مفتوح اقوام
کی زبان سے بھی ملتا ہے۔ لکھا ہے:۔

"خدا ہم سے ناراض تھا، ایک عجیب طریقہ سے
اطرافِ مشرق سے شریر الخلقت لوگ چلے آئے
وہ اس قدر قوی تھے کہ ہمارے ملک میں گھس
گئے اور بزور نہایت آسانی سے اسکو مسخر کر لیا
..... جب انہوں نے ہمارے سرداروں کو
گرفتار کر لیا..... ہمارے شہروں کو جلا دیا
ہمارے دیوتاؤں کے مندر گرا دیئے اور تمام
باشندوں کے ساتھ وحشیانہ طریقہ سے
سلوک کیا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ بعض کو ہتھیاروں
سے مار ڈالا اور اُن کے بیوی بچوں کو غلام بنایا۔"
(Josephas Against Book
1 Sect 14 Vol II)

چہارم:۔ عاد کے متعلق ایک کتبہ حصن غراب
(واقع قریب عدن) کے کھنڈروں سے سنہ ۱۸۳۴ء میں ملا ہے
یہ کتبہ پتھر پر کندہ تھا۔ اس کتبہ کا انکشاف کرنے والا ایک
انگریز ولسٹڈ (Wellested) نامی ہے۔ اس کتبے سے
قرآن مجید کی کئی اخبار کی تصدیق ہوتی ہے۔ اصل کتبہ اور
اس کا ترجمہ اولاً ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں چھپا تھا
یہ ترجمہ فارسٹر سے نقل شدہ ہے۔

"ہم مدت تک اس وسیع قصر میں رہے۔
ہماری حالت بد نصیبی اور ادبار سے دور تھی۔
ہماری نہروں میں دریا کا پانی اُمنڈ آتا تھا۔
سمندر موجیں مارتا ہوا ہمارے قلعہ کی دیواروں
سے غضب ناک ہو کر ٹکریں مارتا تھا۔ ہمارے چشمے
خوش آئند آواز سے بہتے تھے۔ بلند کھجوروں
کے اوپر جن کے باغبان خشک چھوہارے ہماری
وادیوں کے چھوہاروں کی زمینوں میں لگاتے
تھے اور خشک چاول بوتے تھے۔
ہم پہاڑی بکروں کا اور جوان خرگوشوں
کا شکار پنجروں اور جالوں سے کرتے تھے اور
مچھلیوں کو بہلا بہلا کر باہر نکال لیتے تھے اور
آہستہ آہستہ خراماں خراماں رنگ برنگ کے
ریشم کے کپڑے اور کاہی سبز مختلف الالوان جامے
پہن کر چلا کرتے تھے۔ اور ہم پر وہ بادشاہ حکومت
کرتے تھے جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور
شریروں کو سزا دینے والے تھے۔ ہُود کی شریعت
کے مطابق اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے
تھے۔ اور ہم معجزات کا یقین رکھتے تھے۔ قیامت
کے راز اور نتھنوں کے راز پر ایمان تھا۔
رہزن (دشمن) گھس آئے اور وہ ہمارے ساتھ
کچھ جھگڑا کرتے مگر ہم نے گھوڑوں کو پویہ ڈال دیا

اور ہمارے کریم نوجوان سخت اور نوکدار نیزوں کو لیکر آگے بڑھے۔

ہمارے خاندان کے مغرور بہادر مرد اور عورتیں گھوڑوں پر لڑ رہی تھیں جن کی گردنیں لمبی تھیں اور جو چمکدار کمیت رنگ کے تھے۔

ہماری تلواریں بدستور دشمنوں کو زخمی کر رہی تھیں اور چھید رہی تھیں یہاں تک کہ ان کے قلب پر حملہ کر کے ان کو مفتوح اور بالکل پست کر دیا۔ جو نوع انسان میں بدترین تھے!!

یہ کتبہ عاد ثانیہ کے بعض حالات پر روشنی ڈالتا ہے اور کسی رنگ میں قرآن مجید کی تائید کرتا ہے۔

آج سے چودہ سو سال قبل قرآن مجید نے ہمیں ہزاروں سال پہلے کی خبروں سے مطلع کر دیا۔ اور آجکل کی تحقیق ان کی حقانیت کی تصدیق کر رہی ہے۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ محمد (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) نے (معاذ اللہ) یہ کتاب خود بنائی ہے وہ اب کیا جواب دے سکتے ہیں؛ کیا ایک اُمی شخص ہزاروں سال قبل کی اخبار سے دُنیا کو مطلع کر سکتا ہے، جبکہ اس زمانے میں ان خبروں کا کسی کو بھی علم نہ ہو؟

لاریب قرآن مجید خدا تعالےٰ کی کتاب ہے اور اس کی ہر ایک خبر کا سچا ہونا اس کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔

فتدبروا یا اولی الابصار!

دو نہایت مفید ٹریکٹ!

(۱) New Discovery about the life of Jesus۔ یہ بڑے سائز کے چار صفحے کا ٹریکٹ ہے جو تین زبانوں میں طبع ہوا ہے۔ دو صفحے انگریزی میں ہیں، ایک صفحہ عربی میں اور ایک صفحہ اُردو میں ہے اس میں انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں مطبوعہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تین تصاویر بھی شائع ہوئی ہیں۔ جن میں سے ایک جوانی کی، ایک ادھیڑ عمر کی اور ایک بڑھاپے کی تصویر ہے۔ یہ مضمون موجودہ عیسائیت کے قصرِ باطل کے خلاف کارگر حربہ ہے۔ عمدہ سفید کاغذ پر دوبارہ طبع ہوا ہے۔ قیمت فی سینکڑہ چار روپے مقرر ہے علاوہ محصولڈاک۔

(۲) كَلِمَةُ الْيَقِيْنِ فِي تَفْسِيْرِ خَاتَمِ النَّبِيّٖن۔ یہ سولہ صفحات کا ٹریکٹ ہے، جو خاتم النبیّن کے معنوں کے متعلق ایک فیصلہ کُن بحث پر مشتمل ہے۔ ضرورت ہے کہ احباب اس ٹریکٹ کو ہر پڑھے لکھے مسلمان تک پہنچائیں تاکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بلند شان کا سب کو پتہ لگ سکے قیمت فی سینکڑہ پانچ روپے سفید کاغذ کی اور چار روپے فی سینکڑہ عام کاغذ کی علاوہ محصولڈاک ہے۔

نوٹ:۔ ہر دو ٹریکٹوں کا ایک ایک نسخہ منگوانے کے لئے تین آنے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں!

ملنے کا پتہ

مکتبۂ الفرقان۔ احمد نگر۔ ضلع جھنگ۔ (پاکستان)

ہمارے متدین وزیر خارجہ کے متعلق مشہور مصری اخبار کا اعلان

ظفر اللہ خان عالمِ اسلام کی محبوب ترین شخصیت ہے!

قاہرہ کے مشہور جریدہ "آخر ساعۃ" نے لکھا ہے:۔

"لقد فرض السيد ظفر الله شخصيته على السياسة الدولية، مما دعا مندوب امريكا "وارين اوستن" الى ان يقول عنه: "انه من اعظم السياسيين - فهو دائما يراعى العدالة والانصاف، سواء فى خطبه العامة او فى احاديثه الخاصة"

ومظهر السيد ظفر الله خان مهيب يبعث على الاحترام فهو يبلغ من العمر ٥٥ سنة، الا انه يبدو اكبر من ذلك - ويطلق لحية قصيرة مدببة وخطها المشيب، ويرتدى طربوشا احمر قانيا وهو رجل متدين يؤدى الصلاة فى اوقاتها، حتى ولو كان فى الطائرة، وقد اصبح اداؤه للصلاة فى ابهاء الامم المتحدة امرا مالوفا لدى سائر الوفود، وفى الدورة الاخيرة كان قد خصص له فى قصر شايو مكانا للصلاة۔

وهو لا يذوق الخمر مطلقا.. ولهذا فان غالبية اعضاء الوفود العربية والشرقية تمتنع عن شربها فى حضرته اكبارا له واحتراما لمشاعره، وقد حدث فى احدى حفلات الامم المتحدة، أن أخفى السيد نصر الله انتظام رئيس وفد ايران كأسه عند دخول ظفر الله خان"

ترجمہ:۔ ظفر اللہ خان نے سیاستِ عالمیہ میں اپنی شخصیت کو منوا لیا ہے۔ اسی وجہ سے وارن آسٹن امریکی مندوب کو کہنا پڑا کہ ظفر اللہ خان عظیم الشان سیاستدان ہے اور ہمیشہ اپنی تقاریر میں اور عام گفتگو میں بھی عدالت اور انصاف کو ملحوظ رکھتا ہے"

جناب ظفر اللہ خان کی شخصیت نہایت پُر رُعب اور واجب الاحترام ہے۔ ان کی عمر ۵۵ سال ہے۔ مگر بظاہر اس سے زیادہ عمر کے معلوم ہوتے ہیں۔ انکی گول بھرپور چھوٹی داڑھی ہے جس میں سفید بال پائے جاتے ہیں۔ وہ سُرخ رنگ کی ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ ظفر اللہ خان نہایت متدین انسان ہے۔ ہر نماز اپنے وقت پر ادا کرتا ہے خواہ وہ ہوائی جہاز میں ہو۔ اقوام متحدہ کے کمروں میں ان کا باقاعدہ اور بروقت نماز پڑھنا سب وفود کو معلوم ہے۔ اقوام متحدہ کے آخری اجلاس میں پیرس میں انکی نماز کے لئے جگہ مخصوص کر دی گئی تھی۔ ظفر اللہ خان شراب نوشی سے کلی پرہیز کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے عربی اور مشرقی وفود کی اکثریت بھی اُن کی عزت اور اُن کے جذبات کے احترام کی خاطر ان کی موجودگی میں شراب پینے سے اجتناب کرتی ہے۔ ایک دفعہ اُمم متحدہ کی ایک دعوت کے موقع پر ایرانی وفد کے لیڈر نصر اللہ انتظام نے ظفر اللہ خان کے وہاں آجانے کی وجہ سے اپنا شراب کا گلاس چھپا دیا تھا"

(ابو العطاء جالندھری پرنٹر و پبلشر نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودہا میں چھپوا کر دفتر رسالہ الفرقان احمد نگر ضلع جھنگ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمال و حسن قرآن نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے

الفرقان

یعنی

علوم و محاسن قرآن مجید کی اشاعت، اور عقائد قرآنی کی افضلیت و برتری بیان کرنے والا، اور دشمنان اسلام کے اعتراضات کے جواب دینے والا ماہنامہ

رمضان المبارک سنہ ۱۳۷۱ھ
بابت ماہ جون سنہ ۱۹۵۲ء

مقام اشاعت
احمد نگر۔ ربوہ۔ ضلع جھنگ
پاکستان

سالانہ چندہ: پانچ روپے
فی نسخہ: آٹھ آنے

ایڈیٹر
ابو العطاء جالندھری

الفرقان کے رُفقاء بننے کے لئے تحریک!

احباب اشاعتِ علومِ قرآنی کے ثواب میں خاص حصّہ لیں!!

رسالہ الفرقان کا نصب العین قرآنی علوم و محاسن کی اشاعت اور قرآنی عقائد کی افضلیت کا بیان ہے
اِس پیارے نصب العین کے پیشِ نظر یہ رسالہ اس عزم اور نیت سے جاری کیا گیا ہے کہ خواہ کچھ ہو بتوفیقہ
تعالیٰ۔ اسے زندگی بھر بہرحال جاری رکھنا ہے۔ ماہ ستمبر سنہ ۵۱ء سے یہ جاری ہے لیکن اس کی آمد اتنی نہیں کہ
اس کے لئے باقاعدہ اور پورے وقت کا مینیجر رکھا جاسکے یا یہ اپنا خرچ ہی پورا کر سکے۔

اِس عرصہ میں الفرقان نے جو کام کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کا نتیجہ ہے ورنہ کئی رنگ کے نامساعد
حالات پیش آتے رہے ہیں۔ اس کے کام کی تعریف دوستوں کے علاوہ بعض مخالفین نے بھی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ
سے دُعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے اِس رسالہ کو اس کے اہم مقاصد کے پیشِ نظر ہمیشہ باقاعدہ جاری
رکھنے کی توفیق بخشے اور اسے مزید ظاہری اور باطنی خوبیوں سے آراستہ کرنے کی بھی توفیق رفیق
فرمائے۔ آمین!

مَیں اِس تحریک کے ذریعہ ان صاحبِ دل احباب سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں جو الفرقان کے
نصب العین سے پورے طور پر متفق ہیں اور اس کے باقاعدہ اور مستقل جاری رکھنے میں ہاتھ بٹا کر ثواب حاصل
کرنا چاہتے ہیں۔ وہ درخواست یہ ہے کہ وہ الفرقان کے خاص رفیقوں میں شامل ہو جائیں۔ ایسے
رفیقوں کا فرض ہوگا کہ کم از کم ایک روپیہ ماہانہ یا بارہ روپے سالانہ اعانتِ الفرقان میں
ارسال فرمائیں۔ اِس طرح سے الفرقان کا حلقۂ اشاعت وسیع کیا جاسکے گا۔ بہت سی لائبریریوں
میں اور بہت سے متلاشیانِ حق تک الفرقان کا پہنچنا ضروری ہے مگر مالی مجبوریاں سدِّ راہ ہیں۔
اِس عمومی امداد کے علاوہ جملہ خریداران کا بھی فرض ہے کہ نئے خریدار پیدا فرمائیں تاہم سب اِس
کارِ خیر کے انجام دینے میں ثواب حاصل کر سکیں۔

الفرقان کے رفقاء بننے والے احباب فوری توجہ فرمائیں، جزاھم اللہ خیراً

خاکسار

ابوالعطاء جالندھری